Regd. L. No. 7243

Phone, 80800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

اپریل 1970

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵-بی گلبرگ-لاہور

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

بدلِ اشتراک

سالانہ پاکستان ـــــــ دس روپے

سالانہ ہندوستان ـــــــ پندرہ روپے

سالانہ غیر ممالک ـــــــ ایک پونڈ

قیمت فی پرچہ

پاکستان ـــــــ ایک روپیہ

ہندوستان

ڈیڑھ روپیہ

ٹیلیفون

۸۰۸۰۰

خط و کتابت

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام

۲۵۔ بی گلبرگ لاہور

جلد ۲۳ | اپریل ۱۹۷۰ء | نمبر ۴

فہرست

۱۔ لمعات ـــــــ ۲

۲۔ طلوعِ اسلام کالج کا قیام ـــــــ (محترم حسن عباس رضوی صاحب) ـــــــ ۹

۳۔ طلوعِ اسلام کالج ـــــــ (سیکرٹری قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی) ـــــــ ۱۶

۴۔ کیا اقبالؒ اشتراکی تھا؟ ـــــــ ۱۷

۵۔ مذہب۔ سوشلزم۔ دینِ اسلام ـــــــ (محترم محمد اسلام صاحب) ـــــــ ۳۱

۶۔ مشرقی پاکستان میں قندیلِ قرآنی کی کرنیں ـــــــ (محترم محمد اکرم راٹھور صاحب) ـــــــ ۴۹

۷۔ تسخیرِ ارض و سما ـــــــ (محترم یعقوب حسن قریشی صاحب) ـــــــ ۵۷

۸۔ حقائق و عبر ـــــــ ۸۰-۷۴

ایڈیٹر۔ محمد خلیل۔ ناشر سراج الحق۔ مقامِ اشاعت۔ ۲۵/بی گلبرگ لاہور۔ پرنٹر شیخ محمد اشرف۔ مطبوعہ۔ اشرف پریس۔ ایبک روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

پیامِ اقبال

تاریخِ انسانیت میں دو انقلاب بڑے عظیم ہیں۔ پہلا انقلاب انسانی راہ نمائی کے لئے حضرات انبیاء کرام ؑ کی بعثت تھی۔ زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے انسان کو عقل و فکر کی صلاحیت سے نوازا گیا تھا، لیکن زندگی کے ابدی حقائق کا دریافت کر لینا اس کے بس کی بات نہ تھی اس کے لئے آئینِ فطرت میں استثناء کیا گیا اور ان حقائق کا انکشاف وحی کے ذریعے کیا گیا۔ وحی، حاملِ وحی کی فکری تخلیق نہیں تھا۔ اسے یہ علم خدا کی طرف سے براہ راست عطا ہوتا تھا۔

پھر نبی کا منصب اتنا ہی نہیں تھا کہ وہ خدا کی طرف سے یہ علم پاتا تھا یا اس علم کو دوسروں تک پہنچا دیتا تھا اور بس۔ وہ اس علم کی روشنی میں انسانوں کی راہ نمائی کرتا تھا۔ ان کے معاملات کو سلجھاتا تھا۔ انہیں مل جل کر رہنے سہنے کے طور طریق سکھاتا تھا۔ راہ نمائی کا یہ طریق انسانی دنیا میں پہلا انقلاب عظیم تھا۔

اور دوسرا انقلاب ختمِ نبوت تھا۔ انسانی زندگی کے لئے جس قدر اصولی ہدایات کی ضرورت تھی اسے مکمل اور غیر متبدل شکل میں عطا کر دیا گیا۔ اور اس ضابطۂ ہدایت کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے اپنے اوپر لے لیا۔ انسانوں کو خدا کی طرف سے براہ راست جو علم ملتا تھا، وہ آخری مرتبہ مل گیا۔ اس کے بعد اس ذریعۂ علم کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔ باقی رہا نبی کا دوسرا فریضہ۔ یعنی آسمانی ہدایت کی روشنی میں انسانوں کی حیاتِ اجتماعیہ کی تشکیل اور ان کے معاملاتِ زندگی کا حل۔ سو یہ فریضہ اس امت کے سپرد کر دیا گیا جسے قرآن نے "خیر امت" کہہ کر پکارا، اور اسے "وارث کتاب" قرار دیا۔ یعنی اب اصولی طور پر انسانی راہ نمائی کے لئے خدا کی مکمل، غیر متبدل، محفوظ کتاب (قرآنِ کریم) اور اس کی روشنی میں عقل و فکر اور علم و بصیرت کو کافی قرار دے دیا گیا! اور زندگی کے عملی نظام کی ذمہ داری اس امت کے سپرد کر دی گئی جسے کہہ دیا گیا، کہ اپنے معاملاتِ حیات (اس کتابِ عظیم کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے) باہمی مشورہ سے طے کر لیا کرو۔ بالفاظِ دیگر، ختمِ نبوت کا عملی مفہوم یہ تھا کہ اب انسان، انفرادی اتھارٹی سے بے نیاز ہو گیا اور اشخاص کے بجائے امتوں کا زمانہ آ گیا۔ تاریخِ انسانیت میں یہ انقلاب بھی بڑا عظیم انقلاب تھا۔ اس سے انسانیت

ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔

رسول اللہ کی حیاتِ ارضی کے بعد، امت نے اس نظام کو قائم رکھا جس کی بنیاد نبی اکرمؐ کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی تھی۔ آپ دیکھیں گے کہ جب تک وہ نظام قائم رہا، امت کے پاس ایک ہی کتاب تھی (یعنی قرآنِ کریم)۔ کوئی اور کتاب نہیں تھی جس کی طرف راہ نمائی کے لئے رجوع کیا جائے۔ اس کا ایک ہی نظام تھا جس کے فیصلے ہر ایک کے لئے واجب التسلیم تھے اور امت، امتِ واحدہ تھی۔ اس میں کوئی فرقہ نہیں تھا، کوئی پارٹی نہیں تھی۔ اس کے بعد جب اس نظام کا شیرازہ بکھر گیا تو امت کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ اب ایک اتھارٹی کی جگہ متعدد اتھارٹیز وجود میں آگئیں۔ ایک کتاب کی جگہ متعدد کتابوں نے لے لی اور امت کے بجائے متعدد فرقے ظہور میں آگئے۔ رفتہ رفتہ، خدا کی کتابِ عظیم محض تلاوت بغرضِ حصولِ ثواب باقی رہ گئی اور اسلام، دین (نظامِ حیات) کے بجائے مذہب بن گیا۔ انفرادیت، ملوکیت، مذہبی پیشوائیت، رہبانیت، قارونیت، سب اسی شجرۃ الزقوم کے برگ و بار ہیں۔ اگر آسمانی سلسلۂ رشد و ہدایت کے پروگرام کا آغاز اور اس کا اختتام، انسانی تاریخ کے عظیم انقلابات تھے، تو اسلام میں یہ تغیر بھی کچھ کم تحیر انگیز نہیں تھا۔ اس تغیر سے امتِ مسلمہ اسی مقام پر پہنچ گئی جس مقام پر بعثتِ محمدیہ کے وقت سابقہ اہلِ کتاب پہنچ چکے تھے۔ سابقہ اہلِ کتاب کو اس حالت سے نکالنے کے لئے، نبی آجایا تھا لیکن اس امت کے لئے یہ صورت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ بابِ نبوت بند ہو چکا تھا لیکن سابقہ امتوں اور اس امت میں فرق یہ تھا کہ اس امت کے پاس خدا کی کتاب اپنی اصلی اور غیر محرف شکل میں موجود تھی اس لئے اسے کسی نبی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے لئے کرنے کا کام یہ تھا کہ یہ خدا کی اس کتاب کو وہی مقام دے دیں جو اس کا حقیقی مقام تھا۔ یعنی معاملاتِ حیات میں اسے آخری سند و حجت قرار دے دیں اور اس کے مطابق، اپنا نظامِ زندگی متشکل کریں۔ یہ اس امت کے اپنے کرنے کا کام تھا۔ اسکے لئے اسے کسی خارجی سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔

اقبالؒ کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے امت کی توجہ اس فراموش کردہ حقیقت کی طرف مبذول کرائی اور اسے قرآن کے صحیح مقام سے آشنا کرایا۔ آپ ان کے کلام کا اس زاویۂ نگاہ سے مطالعہ کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ شروع سے آخر تک اس پیغام کو دہراتے چلے جاتے ہیں یعنی قرآن، نظام، مرکزیت، اجتماعیت، وحدتِ امت، حتیٰ کہ وحدتِ انسانیت — ان کے کلام کا آغاز مثنوی اسرار و رموز سے ہوتا ہے۔ وہ اس میں درخشندہ الفاظ میں لکھتے ہیں :-

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست　　　زیرِ گردوں سرِّ تمکینِ تو چیست

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم

حکمتِ او لایزال است و قدیم

اور اس کے بعد اس کتابِ عظیم کی عظمت و رفعت اس انداز سے سامنے لاتے ہیں کہ انسان کی روح وجد میں آجاتی ہے۔

اقبال شناس حضرات کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ فکرِ اقبال کا سرچشمہ کیا تھا۔ اس سوال کا جواب اقبال نے خود (اس مثنوی کے آخر میں) اس دعا کی شکل میں دے دیا تھا جس سے زیادہ اثر انگیز دعا شاید ہی کوئی اور ہو۔ جس میں انہوں نے کہا تھا کہ:

گر دلم آئینۂ بے جوہر است　　در بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
تو ـــ روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا　　بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا
اور ـــ گر در اسرارِ قرآں سفتہ ام　　با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
تو ـــ در عمل پایندہ تر گرداں مرا　　آبِ نیسانم گہر گرداں مرا

اور اس حسین آغاز کے بعد، وہ تمام عمر امت کی توجہ اسی کتابِ عظیم کی طرف مبذول کراتے رہے۔ فکرِ اقبال کے کئی گوشے ایسے ہیں جن سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ ایسے مقامات بھی ہیں جہاں ان کے پیش کردہ نکات میں تضاد بھی پایا جاتا ہے کہ ان کی فکر بالآخر ایک انسان کی فکر تھی جس میں سہو و خطا بھی ہوتا ہے اور بالیدگی و ارتقاء بھی۔ لیکن جو کچھ انہوں نے قرآن کے متعلق کہا ہے اس میں نہ گنجائشِ اختلاف ہے نہ شائبۂ تضاد۔ ایک ہی پیغام ہے جسے وہ مختلف انداز سے دہراتے چلے جاتے ہیں۔ کہیں اس انداز سے کہ

چوں مسلماناں اگر داری جگر　　در ضمیرِ خویش و در قرآں نگر
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست　　عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست

کہیں ان الفاظ میں کہ:-

جز بقرآں ضیغمی روباہی است　　فقرِ قرآں اصلِ شاہنشاہی است
اور ـــ چیست قرآں خواجہ را پیغامِ مرگ　　دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ

اس سے ذرا آگے ہے۔

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است　　ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود　　جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

کہیں قرآن اور تلوار کے متعلق کہتے ہیں کہ

ایں دو قوت حافظِ یک دیگر اند　　کائناتِ زندگی را محور اند

اور کہیں اس میں ایک تیسری چیز کا اضافہ ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ

مردِ مومن را عزیز اے نکتہ رس　　چیست جز قرآن و شمشیر و فرس

اور بالآخر اس تمام تفصیل کو اس ایجاز میں سمیٹ دیتے ہیں کہ

گر تو می خواہی مسلمان زیستن   نیست ممکن جز بقرآں زیستن

انہوں نے اپنے اشعار ہی میں اس حقیقت کو واشگاف نہیں کہا بلکہ جہاں اور جب بھی انہیں موقعہ ملا قرآن کی اہمیت کو ہر رنگ نمایاں کرتے چلے گئے۔ اپنے بیانات میں، خطبات میں، تقاریر میں، پیغامات میں حتٰی کہ دوستوں اور ہمنواؤں کے نام اپنے خطوط میں، ہر تقریب اور ہر مقام پر اس پیغام کو دہراتے رہے۔ سید سلیمان ندوی (مرحوم) کے نام اپنے ایک خط میں رقمطراز ہیں۔

> قرآن کامل کتاب ہے اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے لیکن ضرورت ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ سیاستِ انسانیہ کے لئے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں اور اس میں فلاں فلاں آیت سے فلاں فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے۔

(مولانا) حسین احمد مدنی (مرحوم) کے ساتھ اپنے مشہور "معرکۂ دین و وطن" میں ان سے کہتے ہیں کہ

> جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطۂ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔

وہ اپنے ایک مقالہ میں قرآن کے پیشِ نظر مقصد کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

> قرآن کا مقصد یہ ہے کہ مسلم بحیثیت فرد وہ انسان بن سکے جسے وحیٔ خداوندی احسن التقویم کے نام سے تعبیر کرتی ہے اور ملتِ اسلامیہ وہ ملت بن جائے جو قرآن پاک کے الفاظ میں دنیا کی بہترین امت (خیر الامم) ہو۔

قرآن کو فراموش کر دینے کا لازمی نتیجہ تقلید اور جمود تھا اسلئے کہ قرآن تو زندگی کی ہر آن حرکت کو سامنے لاتا ہے اور دین کا مقصد ہی یہ بتاتا ہے کہ وہ انسان کو اس قابل بنا دے کہ وہ عملِ پیہم اور سعیٔ متواتر سے زندگی کی ارتقائی منازل طے کر سکے۔ لہٰذا جمود و تعطل اس کے نزدیک موت کے مترادف ہے۔ اسی جمود کا نتیجہ ہے کہ وہ فقہی قوانین جو آج سے صدیوں پہلے اس زمانے کے تقاضوں کے مطابق انسانی کوششوں سے وضع ہوئے تھے انہیں وحیٔ خداوندی کی طرح ابدی اور غیر متبدل قرار دے دیا گیا۔ اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے "علامہ اقبالؒ" اپنے خطبات تشکیلِ جدید میں لکھتے ہیں۔

> مسلمانانِ ہند چونکہ غیر معمولی طور پر قدامت پسند واقع ہوتے ہیں لہٰذا ہندوستانی عدالتیں مجبور ہیں کہ فقہ اسلامی کی مستند کتابوں سے سرِمو انحراف نہ کریں۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ تو بدل رہے ہیں مگر قانون جہاں تھا وہیں کھڑا ہے۔

اس سے ذرا پہلے لکھتے ہیں:۔

> بدقسمتی سے قدامت پسند مسلمان عوام کو ابھی یہ گوارا نہیں کہ فقہ اسلامی کی بحث میں کوئی تنقیدی نقطۂ نظر اختیار کیا جائے۔ وہ بات بات پر خفا ہو جاتے ہیں اور ذرا ذرا سی تحریک پر بھی فرقہ وارانہ نزاعات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

ان کے نزدیک کرنے کا کام یہ تھا کہ قرآن کریم کے ابدی اصولوں کی روشنی میں ایسے قوانین مرتب کئے جائیں جو ہمارے موجودہ

تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ چنانچہ وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

> جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانۂ حال کے جورس پروڈنس (اصول فقہ) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکامِ قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کریگا وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوعِ انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔

اقبالؒ نے یہ کچھ اس زمانے میں لکھا تھا جب یہاں انگریزوں کی حکمرانی تھی اور اپنے لئے آپ قوانین مرتب کرنیکے ہمیں اختیارات حاصل نہیں تھے۔ انہوں نے ایک آزاد مملکت کا تصور ہی اسلئے پیش کیا تھا کہ ہم اس قابل ہو سکیں کہ قرآن کریم کی روشنی میں اپنے لئے ضابطۂ قوانین خود مرتب کرلیں اور اسی کے مطابق ہماری مملکت کا کاروبار سرانجام پائے۔ ظاہر ہے کہ تشکیلِ پاکستان کے وقت علامہ اقبالؒ زندہ ہوتے تو وہ سب سے پہلے یہی کام کرتے یا کراتے۔ لیکن ہماری بدبختی کہ وہ اس سے پہلے ہی ہم سے جدا ہو گئے اور اس مملکت کے ساتھ وہی کچھ ہوا جس کا انہیں خدشہ تھا کہ

زاغوں کے تصرف میں ہیں شاہیں کے نشیمن

چنانچہ یہاں ہوا یہ کہ جمود و تعطل کی گرہیں پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہوگئیں اور وہ حقیقی اسلام جس کے متعلق انہوں نے (صوفی تبسم؟) مرحوم کے نام اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ "وہ ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے" جنس فراموش تر ہوگئی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ یہ کہنا کہ ہمارے نظام و قوانین کی اساس قرآنِ خالص پر ہونی چاہیئے، جرمِ عظیم قرار پا گیا۔ اقبالؒ نے سید سلیمان ندوی (مرحوم) کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا تھا کہ:

> میرے دل میں ممالکِ اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل بگڑ کر کوئی اور راہ اختیار نہ کر لے۔

آج یہ خطرہ اس وقت سے بھی زیادہ مہیب اور قریب تر نظر آ رہا ہے۔ اسلئے بھی کہ علامہ اقبالؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مدیر احسان کے نام اپنے خط میں لکھا تھا کہ

> وہ شخص جو دین کو سیاسی پراپیگنڈے کا پردہ بناتا ہے میری نزدیک لعنتی ہے۔
>
> (انوارِ اقبالؒ۔ مرتبہ بشیر احمد ڈار۔ ص ۱۶۵)

اور پاکستان میں آج یہ کھیل کھلے بندوں کھیلا جا رہا ہے۔ لیکن اس میں مایوسی کی کوئی بات نہیں۔ قرآن جہاں زمان و مکان کی حدود سے مستغنی ہے وہاں وہ کسی خاص ملک اور قوم سے بھی وابستہ نہیں۔ اسلئے

حق اگر از پیش ما بردارد ش — پیش قومے دیگرے بگذاردش

وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم۔ (۴۷/۳۸)

بصیرت افروز حقیقت کشا انقلاب آفریں کتابیں

۱. شعلۂ مستور — حضرت عیسیٰؑ کون تھے حیات تھے۔ کیا آپ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے؟ کیا یہود نے آپ کو واقعی فرد خت کردیا تھا؟ کیا آپ آسمانوں پر زندہ ہیں؟ کیا آپ پھر نازل ہوں گے؟ آپ کی صحیح تعلیم کیا تھی؟ یہ بڑی معلومات افزا کتاب ہے۔ قیمت مجلد۔ چھ ۶/ روپے

۲. نظامِ ربوبیت — نظامِ سرمایہ داری نے دنیا کو جہنم بنا دیا۔ کمیونزم نے اس جہنم کو ٹھنڈا کرنا چاہا لیکن اس کے شعلے اور تیز ہو گئے۔ کیا ان حالات میں انسان کی نجات کی کوئی صورت ہے؟ ضرور ہے اور وہ قرآن کے معاشی نظام میں ہے جس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ یہ ہمارے دور کی ایک انقلاب آفریں کتاب ہے۔ قیمت چار ۴/ روپے

۳. خدا اور سرمایہ دار — موضوع کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے۔ ہمارا دور عصرِ معاشیات کہلاتا ہے۔ ضرورت تھی کہ دنیا کے مروجہ معاشی نظاموں کا تجزیہ کر کے ان کا مقابلہ قرآن کے معاشی نظام سے کیا جائے۔ اس کتاب میں یہ تمام گوشے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ قیمت:۔ قسم اعلیٰ مجلد۔ نو ۹/ روپے۔ قسم دوم۔ پانچ روپے۔

۴. اسلام پر کیا گذری؟ — از علامہ احمد امین مصری۔ اسلام کیا تھا اور اس کے بعد کیا ہو گیا اور کیسے ہوا۔ اسلام میں غیر اسلامی تصورات و معتقدات، رسوم، مناسک کہاں سے آ گئے۔ قیمت: پانچ روپے۔

۵. الفتنۃ الکبریٰ — از ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری۔ حضور رسالتمآبؐ کی رحلت کے پچیس سال بعد ہی امیر المومنین حضرت عثمانؓ کس طرح دن دہاڑے شہید کر دیئے گئے اور امتِ مسلمہ کو کن مصائب کا شکار بننا پڑا۔ اس صورتِ حال کے محرکات کیا تھے اور اس کا پس منظر کیا تھا۔ تاریخ میں اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ قیمت چھ روپے۔

۶. وہ جنھیں گنہگار سمجھا گیا ہے — (ہو انسان) از عنایت اللہ۔ جیل کی سلاخوں کے پیچھے کی دنیا کے پُر اسرار حالات۔ قاتلوں، ڈاکوؤں، گرہ کٹوں اور سنگین مجرموں کے جرائم کا پس منظر۔ جیل میں بسنے والی دنیا کے مہیب، وحشتناک، حیرت انگیز، لیکن عبرت آموز حالات جو طلسم ہوش رُبا سے زیادہ دلچسپ اور گلستانِ سعدی سے زیادہ سبق آموز ہیں۔ قیمت مجلد ۵ روپے۔

۷. فردوسِ گم گشتہ — محترم پرویز صاحب کے ان مضامین اور تقاریر کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا ہے۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دیں گی۔ قیمت آٹھ ۸/ روپے۔

۸. سلسبیل — قرآنی بصیرت کا چشمۂ رواں یعنی جناب پرویز کے خطبات اور مقالات کا مجموعہ۔ ایسی کتابیں عہد آفریں ہوتی ہیں۔ قیمت آٹھ روپے۔

۹۔ بہارِ نو یہ مقالات کے مجموعہ کا دوسرا حصہ ہے جس سے ذہن میں جلا پیدا ہوتا ہے۔ اس میں زندگی کے مختلف گوشے ابھر کر سامنے آگئے ہیں۔ سستا ایڈیشن ۔ قیمت ۔ پانچ روپے ۔

۱۰۔ تاریخ الامت از علامہ اسلم جیراجپوری ۔ آٹھ حصے۔ امت کی تمام سرگذشت بیک وقت آپ کے سامنے آجاتی ہے۔ قیمت جلد اول ۔ ۲/۵۰ روپے ۔ جلد دوم ۔ ۲/۵۰ روپے ۔ جلد سوم ۔/۲ روپے ۔ جلد چہارم ۲/۵۰ روپے جلد پنجم ۔/۲ روپے ۔ جلد ششم ۲/۵۰ روپے ۔ جلد ہفتم ۔/۲ روپے ۔ جلد ہشتم ۲/۵۰ روپے ۔

۱۱۔ اقبال اور قرآن علامہ اقبال کی فکر کا سرچشمہ قرآن ہے۔ یہ دعویٰ تو آپ نے اکثر سنا ہوگا لیکن اس کا ثبوت بہت کم ملا ہوگا۔ دیکھئے کہ اقبال اور قرآن دونوں پر نگاہ رکھنے والے پرویز صاحب نے اسکے متعلق کیا لکھا ہے اور کیسے حسین انداز سے لکھا ہے ۔ قیمت ۔/۲ روپے

۱۲۔ قتل مرتد غلام اور لونڈیاں کیا اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے؟ کیا اسلام قیدی عورتوں کو لونڈیاں بنانے کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن کی رُو سے ان اہم سوالات کا جواب کیا ہے۔ مدلل اور مسکت بحث۔ اسکی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ ہمارا قدامت پرست طبقہ مُصر ہے کہ جب پاکستان میں اسلامی شریعت کا نفاذ ہوگا تو اس میں یہی قوانین رائج کئے جائیں گے ۔ قیمت ۱/۵۰ روپے

۱۳۔ قرآنی فیصلے زندگی کے مختلف مسائل اور معاشرہ کے متعلق قرآن کیا کہتا ہے۔ بڑی معلومات افزا کتاب ہے۔ جلد اول ۔ ۳/۷۵ روپے ، جلد دوم ۳/۲۵ روپے ، جلد سوم ۔/۳ روپے ۔

۱۴۔ قرآنی قوانین ایک نہایت جامع کتاب جو عام طبقہ کے علاوہ وکلا حضرات اور جج صاحبان کے لئے بڑی مفید ثابت ہوئی ہے ۔ قیمت ۔/۳ روپے

۱۵۔ مقام حدیث وہ کتاب جس نے قرآن کریم اور احادیث نبوی کا صحیح مقام متعین کرنے کے لئے ذہنوں پر پڑے ہوئے دبیز پردے اٹھا دیئے۔ حدیث کا صحیح مقام کیا ہے؟ حدیثوں کو کس نے جمع کیا۔ یہ ہم تک کیسے پہنچیں؟ حدیثوں کے جو مجموعے ہمارے پاس ہیں ان میں کیا کچھ ہے۔ رسول اللہ کی طرف انکی نسبت کس حد تک صحیح ہے۔ علم حدیث کے متعلق اس ایک کے اندر اسقدر معلومات ہیں جو آپ کو بیسیوں کتابوں سے بے نیاز کر دیگی ۔ قیمت ۔/۴ روپے

۱۶۔ عربی خود سیکھئے قرآن کریم کو خود سمجھنے کے لئے عربی زبان سے واقفیت ضروری ہے اسلئے ایک ایسی مختصر اور سلیس سی کتاب کی ضرورت تھی جس سے اردو جاننے والے حضرات تھوڑی سی محنت سے اتنی عربی سیکھ جائیں جس سے قرآن کریم آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ یہ کتاب اس مقصد کیلئے نہایت موزوں ہے۔ قیمت ۴/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ دین و دانش ۔ چوک اردو بازار لاہور

طلوعِ اسلام کنونشن

طلوعِ اسلام کالج کا قیام

محترم حسن عباس رضوی صاحب

نقیبانِ قافلہ قرآنی! سلام و رحمت!

دعائے خلیل

جب معارانِ حرم حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل سلام علیہما کے ہاتھوں عالمگیر انسانیت کے مرکز یعنی خانۂ کعبہ کی تعمیر ہو چکی تو اُن کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ جس نظامِ حیات جس دین کے لئے مرکز قائم ہو گیا ہے، اس دین کے قیام اور بقا کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ اُس وقت باپ بیٹے نے ایک مربوط پروگرام مرتب کیا جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ امیرِ کارواں نے رب العالمین سے التجا کی۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ - (۲/۱۲۶)

کہ اے جو تمام کائنات کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچانے والا ہے! تو ایسا کر دے کہ یہ مقام ساری دنیا کے ستائے ہوئے انسانوں کے لئے امن اور پناہ کی جگہ بن جائے (۳/۹۶) اور ان میں سے جو لوگ تیرے قوانین کی صداقتوں پر یقین اور مستقبل (آخرت) کی زندگی پر ایمان رکھیں، خواہ وہ کہیں کے رہنے والے ہی کیوں نہ ہوں (۲۲/۲۵) اُن کے لئے زندگی کی آسائش اور سامانِ زیست کا سامان پیدا کر دے۔

غور کیا آپ نے! کہ نظامِ حیات کے مرکز کی تعمیر کے وقت سب سے پہلی درخواست جو اللہ تعالیٰ کے حضور گزاری گئی وہ سامانِ زیست (رزق) کے لئے تھی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ کسی سکیم، کسی پروگرام، کسی نظام کی تکمیل اور کامیابی کا انحصار سامانِ زیست کی فراوانی پر ہے۔ اس کے بعد جو دوسری درخواست پیش کی گئی، وہ یہ تھی:۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ......

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ - (۲/۱۲۹)

اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم اس مرکز کے ساتھ وابستہ رہ کر تیرے قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں اور ہمارے سر اسکے سامنے جھکے رہیں۔ نہ صرف ہم ہی بلکہ ہماری آنے والی نسلوں میں بھی وہ لوگ پیدا ہوں جو اسی طرح تیرے قوانین کی اطاعت کرنیوالے ہوں ...... اس دین کے قیام و تکمیل کے لئے اس سرزمین میں، اسی قوم سے ایک معلمِ انسانیت پیدا کرنا جو تیری عطا کردہ ہدایات کیمطابق تیرے عطا کردہ قانون کو اُن کے سامنے معروف طریقے سے پیش کرے۔ تیرے عطا کردہ ضابطۂ حیات کی تعلیم و تدریس کا اس طرح بندوبست کرے کہ یہ بات اُن کے سامنے نکھر کر آجائے کہ اس قانون کی غرض و غایت کیا ہے اور اس پر عمل کرنے سے کیا نتائج مرتب ہوں گے۔ اس طرح لوگوں کی صلاحیتوں کی بردمندی اور اُنکی ذات کی نشوونما ہوتی چلی جائے گی۔ تا آنکہ ایک ایسی جماعت کی تشکیل ہو جائے جس کے ہاتھوں اس زمین پر نظامِ ربوبیت اپنی ہمہ گیر خوبیوں کے ساتھ نافذ ہو جائے۔

سب سے پہلی جامعہ اسلامیہ

ملاحظہ کیا آپ نے برادرانِ عزیز! کہ سب سے پہلی دعا سامانِ زیست کے بارے میں تھی اور دوسری دعا ایک ایسے "اتالیق" کے لئے کی گئی جو اس جماعت کی "تعلیم و تربیت" کا کچھ اس طرح بندوبست کرے کہ اس کے ہاتھوں ایک عظیم انقلاب رونما ہو جائے اور خدا کا دین اس دنیا میں قائم ہو جائے۔

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا - اور یہ دنیا اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اُٹھے۔

دوسری دعا سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اور چیزوں کے علاوہ سب سے پہلی جامعہ (UNIVERSITY) خانہ کعبہ ہی تھی جس کی (SYNDICATE) أُمَّةً مُّسْلِمَةً، اور (VICE CHANCELLOR) یعنی سربراہ (يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ) کی تعیناتی کی درخواست معمارانِ کعبہ نے جامعہ کے (CHANCELLOR) یعنی خدا کے حضور گزاری تھی۔

قوموں کی موت و حیات

دنیا جانتی ہے اور تاریخ اس پر گواہ ہے کہ اس پروگرام پر عمل پیرا ہو کر جو حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں اور ان کے متعین کردہ خطوط پر مرتب ہوا تھا نبی اکرمؐ

وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کے ہاتھوں قانونِ خداوندی پر مبنی ایک عظیم نظام قائم ہو گیا جس کا طرۂ امتیاز ربوبیت عامہ تھا۔ لیکن برادرانِ عزیز! حضور نبی اکرمؐ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کے بعد یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا کیونکہ ابلیسی سازشوں کی وجہ سے ناخلف جانشین پیدا ہوتے رہے جن کے ہاتھوں اس نظام کی جڑیں کھوکھلی ہوتی رہیں۔ جب ہر طرف ابلیسیت چھا گئی تو مسلم قوم اپنی متاعِ حیات سے ہاتھ دھو بیٹھی اور مایوسی کا لبادہ اوڑھ خوابِ غفلت میں کھو گئی۔

برادرانِ عزیز! جب قوم کی نظروں سے مستقل اقدار اوجھل ہو جاتی ہیں ان کا خون منجمد ہو جاتا ہے اور جوشِ کردار سرد پڑ جاتا ہے۔ تا آنکہ زندہ رہنے کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے۔ قرآنِ حکیم نے قوموں کی اس کیفیت کو موت سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن یہ موت ایسی ہوتی ہے جو پھر سے زندگی میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ جب قومِ موسیٰؑ خدا کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹ گئی اور قانونِ خداوندی سے منہ موڑ بیٹھی تو ان پر ایک عظیم عذاب نازل ہوا۔ جس کی کیفیت یہ تھی کہ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا (۷/۱۶۸) انہیں گروہوں اور فرقوں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے سے جدا کر دیا جس سے اُن کا شیرازہ بکھر گیا اور ان میں زندہ رہنے کی صلاحیت ختم ہو گئی اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ ایک طویل عرصہ کے بعد حوادثِ زمانہ کی ٹھوکروں سے انہیں ہوش آیا۔ اپنے کئے پر نادم ہوئے۔ اُسی مقام پر لوٹ آئے جہاں سے ان کا قدم غلط سمت کی طرف اٹھا تھا۔ پھر قانونِ خداوندی کو تھاما، اپنے میں اصلاح پیدا کی، زندگی کی کرن نمودار ہوئی اور قانونِ خداوندی کے اتباع کی بدولت انہیں وہی مقام اور وہی غلبہ اور اقتدار حاصل ہو گیا جس سے وہ اپنے غلط اعمال کی وجہ سے محروم ہو چکے تھے۔ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ (۲/۵۶) اس طرح انہیں ان کی موت کے بعد دوبارہ زندگی عطا ہوتی۔

علاج

یہ کس طرح ہوا؟ قرآنِ حکیم نے اس طریقِ علاج کو بڑے حسین انداز میں بیان کیا ہے۔ وقت وہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ قوم کو راہِ راست پر لانے کی ہر کوشش کر چکے تھے۔ مگر قوم اُن کے پیش کردہ دین پر کان نہیں دھرتی تھی۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ (۲/۲۶۰)

(وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے عرض کیا اے میرے نشوونما دینے والے تو مجھے

مردہ قوموں کو کیونکر زندہ کرے گا۔ (اس پر پوچھا گیا) اے ابراہیمؑ! کیا تجھے اس بات پر یقین نہیں ؟ عرض کیا۔ میرا اس پر یقین محکم ہے۔ میں تو اپنی سابقہ کارکردگی کا جائزہ لیکر آپ سے مزید ہدایات چاہتا ہوں تاکہ اطمینانِ قلب کے ساتھ آگے بڑھوں۔ ارشاد ہوا کہ ایسی قوموں کے افراد پر کسی بلانے والے کی آواز کا اسی طرح اثر ہوگا جس طرح مثلاً تو چار پرندے لے، پھر ان کو (TAME) کرے۔ یعنی اس طرح پرورش کرے کہ وہ پوری طرح تیرے ساتھ مانوس ہو جائیں۔ پھر ان چاروں کو علیحدہ علیحدہ مختلف پہاڑوں پر مقرر کرے۔ پھر دیکھ جب تو ان کو بلائے تو وہ کس طرح دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

متذکرہ قرآنی مثال بھی اسی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ وہ قوم جو حق کا پیغام دینے والوں کی تضحیک اور استہزا کرتی ہے جب اس کی مناسب تعلیم و تربیت کی جائے تو جب بھی کوئی داعیٔ حق اس کو پکارے گا اس قوم کے افراد چاروں گوشوں سے اس کی طرف بھاگتے ہوئے آئیں گے۔ لیکن برادرانِ عزیز! جب قوم کے افراد کی صحیح تعلیم و تربیت نہ ہو تو وہ کس طرح حق کی آواز پر لبیک کہہ سکتے ہیں کس طرح قانونِ خداوندی کے دست و بازو بن سکتے ہیں۔ اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے تمثیلی قصہ میں بیان کیا ہے۔ یعنی یہ انقلاب تعلیم و تربیت ہی کے ذریعہ رونما ہو سکتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا یقینِ محکم اور عملِ پیہم، حضرت موسیٰؑ کی صحرا نوردیاں اس پر شاہد ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر اسوۂ محمدیؐ ہی اس پر دال ہے کہ حضورؐ نے قوم کو کس طرح تیار کیا۔ قرآن کی زبان میں ـــ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ۔ (۲/۱۲۹)

طلوعِ اسلام کالج کا مقصد

پاکستان کے معمارِ اول سرسید علیہ الرحمۃ نے اسی سنتِ انبیاء پر عمل کیا۔ اور علیگڑھ میں ایک تعلیمی درسگاہ کی بنیاد رکھی جس کا نتیجہ پاکستان کی شکل میں برآمد ہوا۔ پاکستان تو حاصل ہو گیا لیکن جس کام کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا وہ کام ابھی باقی ہے۔ اور وہ کام ہے "نظامِ ربوبیت" کا قیام۔ جس نظام کے مرکز کی تعمیر خلیل اللہ کے ہاتھوں ہوئی جس کی آبیاری حضرت یوسفؑ نے کی اور جسے حضرت نبی اکرم منتہی المرتبت نے آخری شکل دی اور جس کے داعی آج محترم پرویز صاحب ہیں۔ سرسیدؒ نے علیگڑھ درسگاہ قائم کی تو پاکستان بنا۔ اب ایک ایسی درسگاہ کی ضرورت ہے جو ایسی جماعت تیار کر سکے جس کے ہاتھوں پاکستان میں نظامِ ربوبیت قائم ہو جائے۔

یہ درسگاہ ایسے طالب علم تیار کرے کہ :-

(۱) پاکستان میں وقتاً فوقتاً جو مسائل سامنے آئیں وہ بتا سکیں کہ اس باب میں قرآن کیا راہنمائی دیتا ہے۔ اسلامی مملکت کا آئین کیسا ہونا چاہیئے اور قوانین کس قسم کے۔ افراد کی زندگی اسلامی قالب میں کس طرح ڈھل سکتی ہے اور معاشرہ قرآنی خطوط پر کس طرح متشکل ہو سکتا ہے۔ وہ کونسی ایسی عملی کسوٹی ہے جس سے ہر وقت معلوم کیا جا سکے کہ قوم صحیح راستے پر چل رہی ہے یا اس کا کوئی قدم غلط سمت کی طرف اٹھ گیا ہے۔ اور

(۲) دنیا کی مختلف قومیں اس وقت جن معاشی، معاشرتی، سیاسی، قومی، بین الاقوامی مسائل سے دوچار ہیں اور جس کا کوئی اطمینان بخش حل انہیں نہیں ملتا، جس کی وجہ سے امنِ عالم سخت خطرے میں پڑ رہا ہے۔ قرآنِ حکیم ان مسائل کا حل کیا تجویز کرتا ہے۔

اس کالج کے فارغ التحصیل طالب علم ایسی قابلیت کے مالک ہوں کہ وہ دنیا کے بڑے بڑے اجتماعات میں قرآنی نکتہ نگاہ نہایت وضاحت سے پیش کر سکیں اور اپنے ملک میں بھی دوسروں کی راہنمائی کر سکیں۔

ذہنی قابلیت کے علاوہ ان کا کیریکٹر بھی اتنا بلند ہونا چاہیئے کہ وہ دوسرے نوجوانوں کے لئے قابلِ تقلید مثال پیش کر سکیں اور اس طرح اس حقیقت کی زندہ شہادت بن سکیں کہ جب انسانی قلب و دماغ قرآن کے قالب کے اندر ڈھل جائیں اور وہ سیرتِ نبی اکرمؐ کو اپنے سامنے بطور اسوۂ حسنہ اپنے سامنے رکھ لیں تو اس سے کس طرح ایسے انسان پیدا ہوتے ہیں جن پر انسانیت فخر کر سکے۔

مفکرِ قرآن کا وارث | محترم پرویز صاحب اب عمر کے اس حصہ میں پہنچ چکے ہیں جس کا شدید تقاضا یہ ہے کہ ان کا وارث مقرر کر دیا جائے۔ اپنے محسنِ اعظم کی مدح وستائش اس کی پیش کردہ قرآنی فکر کی سپاس گزاری اور اس پر عمل اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ محترم پرویز صاحب کی زندگی ہی میں ان کا وارث مقرر کر دیا جائے۔ لامحالہ ان کے وارث ایک یا دو اشخاص نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ درسگاہ ہی ہو سکتی ہے جو ایسی قوم تیار کر سکے جو فکرِ پرویز کی جیتی جاگتی، چلتی پھرتی تصویر نظر آئے۔ جن کے متعلق وہ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں اکثر کہا کرتے ہیں۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

تدبیر | برادرانِ عزیز! تحریکِ طلوعِ اسلام خدا اور رسولؐ کی امانت ہے جسے محترم

پرویز صاحب نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ تحریک کیا ہے؟ اصل میں شمع قرآنی ہے جسے پرویز صاحب نے ہماری راہنمائی کے لئے تھام رکھا ہے۔ آپ کو دیکھ کر دل سے یہ دعا نکلتی ہے۔

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا!!
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

اے شمع قرآنی کے پروانو! خبردار! اس امانت میں خیانت نہ ہونے پائے۔ اگر یہ شمع بجھ گئی تو آپ کا کچھ بھی نہ رہے گا۔ اگر آپ اس کی حفاظت نہ کر سکے تو آپ کی حالت بھی اس بڑھیا سے مختلف نہ ہو گی۔ كَالَّتِىْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (۱۶/۹۲) جو تمام دن بشقت سوت کاتتی رہے اور شام کو خود اپنے ہی ہاتھوں تار تار کر کے بکھیر دے۔ اس تحریک کی زندگی ایسی ہی صورت میں قائم رہ سکتی ہے کہ اس تحریک کی پیش کردہ فکر تعلیمی درس گاہ کی صورت اختیار کر لے۔ آپ کی ہمعصر تحریکیں اور موجودہ دور کے حاملین نظریات بڑے غور سے آپ کی تحریک کے ارتقائی اقدام کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ ان میں کچھ آپ کے مخالف ہیں۔ لیکن اکثر ایسے بھی ہیں جو اس تحریک کو مسرت بھری امیدوں کے ساتھ پھلتے پھولتے دیکھنے کے خواہش مند ہیں کیونکہ آپ نے انہیں فردوس گم گشتہ کا نشان دکھایا ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ ان کی راہ نمائی کرتے ہوئے منزل کی طرف لے جائیں۔ اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ بننا مشکل ہوتا ہے۔ کھیتیاں سینچ کر حاصل دوسروں کے لئے چھوڑ دینا بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ اپنا خون دے کر دوسروں کے لئے زندگی کی خوشگواریاں مہیا کرنا عقل و خرد سے آگے بڑھ کر عشق و جنوں میں قدم رکھنا ہے۔ بادی النظر میں یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے لیکن آپ کو یہی کچھ کرنا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں:

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا

خدا نہ کرے، خدا نہ کرے، اگر اس صراطِ مستقیم پر آپ کے قدم ڈگمگا گئے تو نہ صرف آپ گریں گے بلکہ آپ کے ساتھ وہ تمنائیں بھی موت کی نیند سو جائیں گی جنہیں آپ نے اور صرف آپ نے عوام کے دلوں میں بیدار کیا ہے۔ ایسی صورت میں۔

"انسانیت زندگی کے چوراہے پر آپ کا دامن تھام لے گی اور آپ سے اس جائز سوال کا جواب چاہے گی کہ وہ فردوس گم گشتہ کہاں ہے جس کی امیدیں دلا کر تم مجھے یہاں تک لے آئے ہو۔ جب تمہیں خود اس نظام پر یقین نہ تھا تو پھر مجھے کیوں اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کرتے رہے؟"

ان حسین آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کا واحد ذریعہ "طلوعِ اسلام کالج" کا قیام ہے ورنہ

بھی اگر مے سے صراحی تری خالی ساقی
تو چراغِ درِ میخانہ جلایا کیوں تھا

تبشیر | مگر مایوسی ہمارا شیوہ نہیں۔

نہیں ہے نا امید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ذرا اُس سرزمین کا نقشہ بھی سامنے لائیے جہاں مرکزِ نظامِ خداوندی کی بنیاد رکھی گئی۔ جسے خود قرآن نے غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ کہا ہے۔ لیکن معمارانِ کعبہ نے اسباب و ذرائع سے بے نیاز اس عظیم مرکز اور پہلی اسلامی جامعہ کی بنیاد رکھ ڈالی جو بالآخر دنیا ئے انسانیت کا مامن اور تعلیم کا گہوارہ بن گئی۔ اگرچہ آج بھی ہماری تنگ دامانی کی حکایت اُس داستان سے مختلف نہیں تاہم ہمارے سامنے ایک نظیر تو موجود ہے کہ ایسی بے سروسامانیاں ایک مقدس مقصد کے حصول کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔ کیا یہ زادِ راہ کچھ کم ہے؟ ابھی تو فقط ابتدا میں ایک کالج کی اسکیم ہی زیرِ غور ہے۔ ذرا ایک اینٹ تو رکھیئے، پھر دیکھیئے کس طرح کائناتی قوتیں دنیا کا ساز و سامان آپ کے قدموں میں لاکر رکھ دیتی ہیں۔ پھر لاہور ہی کیا آپ دنیا کے گوشے گوشے میں اس کی شاخیں قائم کر سکتے ہیں۔ آیئے عہد کریں کہ آج ہم بھی معمارانِ کعبہ کی بتائی ہوئی حسین اور مقدس تمناؤں کو دہراتے ہوئے "طلوعِ اسلام کالج" کی بنیاد رکھیں اور اپنی تگ و تاز اور سعی و کاوش کی حسین تعبیر کو محسوس پیکر میں ڈھال کر بارگاہِ الٰہی میں اس دعا کے ساتھ پیش کریں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ؕ

لاہور میں
پرویز صاحب کا درسِ قرآن کریم

ہر اتوار کی صبح ۹ بجے ———— ۲۵/بی گلبرگ لاہور میں ہوتا ہے

خواتین کیلئے پردہ کا انتظام ہوتا ہے۔

(ناظم ادارہ طلوعِ اسلام)

طلوعِ اسلام کالج

(بہ تسلسل فہرست مطبوعہ طلوعِ اسلام بابت مارچ ۱۹۷۰ء)
حسب ذیل عطیات بتشکر موصول ہوئے۔

(فہرست الف)

(۱) محترم اظہر عباس صاحب۔ لاہور ۔/۲۵۰۰ روپے
(۲) 〃 شاہد ایوب صاحب 〃 ۔/۲۵۰۰ 〃
(۳) 〃 اظہر عباس صاحب 〃 ۔/۲۵۰۰ 〃
(۴) محترم شیخ فضل الرحمٰن صاحب ڈھاکہ ۔/۲۵۰۰ روپے
(۵) 〃 عبدالحفیظ صاحب۔ لاہور ۔/۲۵۰۰ 〃
(۶) 〃 ڈاکٹر ممتاز حسن صاحب 〃 ۔/۲۵۰۰ 〃

(فہرست "ب")

(۱) محترم نذیر الحق صاحب کراچی ۔/۵۰۰ روپے
(۲) 〃 عبدالغنی صاحب گوجرخان ۔/۱۰۱ 〃
(۳) 〃 خالد اسحٰق ایڈووکیٹ صاحب کراچی ۔/۵۰۰۰ 〃
(۴) 〃 محمد اظہر سلیمی صاحب۔ کراچی ۔/۲۰ 〃
(۵) 〃 محمد افضل عابد صاحب۔ لاہور ۔/۲ 〃
(۶) 〃 ظہور الدین بھٹی صاحب 〃 ۔/۱۵ 〃
(۷) 〃 محمد شریف تیر صاحب 〃 ۔/۱۵ 〃
(۸) 〃 حاجی احمد شیخ صاحب۔ مسقط ۔/۱۰۰ 〃
(۹) 〃 محمد شریف صاحب۔ ایم اے سیالکوٹ ۔/۵۰ 〃
(۱۰) 〃 غلام جیلانی خان صاحب۔ کوئٹہ ۔/۱۰ 〃
(۱۱) 〃 محمد حسین درانی صاحب۔ کوئٹہ ۔/۴ 〃
(۱۲) 〃 ولی محمد صاحب۔ لاہور ۔/۵ 〃
(۱۳) 〃 خالد حسین صاحب۔ کوہ نور رایان لمیٹڈ ۔/۱۰ 〃
(۱۴) 〃 محمد امین صاحب 〃 ۔/۱۰ 〃
(۱۵) 〃 محمد فاروق صاحب 〃 ۔/۱۰ 〃
(۱۶) 〃 شبیر اجمل صاحب 〃 ۔/۲۰ 〃
(۱۷) 〃 اے ستار صاحب 〃 ۔/۱۰ 〃
(۱۸) 〃 اے۔ ایچ ساقی صاحب 〃 ۔/۲۵ 〃
(۱۹) محترم جاوید حسین زیدی صاحب۔ کوہ نور رایان لمیٹڈ ۔/۱۰ روپے
(۲۰) 〃 عبدالستار صاحب 〃 〃 ۔/۵ 〃
(۲۱) 〃 سلیم انور صاحب 〃 〃 ۔/۱۰ 〃
(۲۲) 〃 انوار الحق صاحب۔ لاہور ۔/۵ 〃
(۲۳) 〃 محمد اسلم صاحب۔ بیڑ ضلع لاہور (سالانہ عطیہ) ۔/۲۵ 〃
(۲۴) 〃 عبدالکریم صاحب۔ کلر کہار (ضلع جہلم) ۔/۱۰۰ 〃
(۲۵) 〃 ماسٹر محمد انور صاحب۔ ستوکے (ضلع سیالکوٹ) ۔/۱۰ 〃
(۲۶) 〃 محمد علی محمد رمضان سکنہ قطعہ ۱۲ ضلع ملتان ۱۲/۵۰ 〃
(۲۷) 〃 ڈاکٹر بشیر احمد صاحب۔ فاضل پور (ڈیرہ غازیخان) ۔/۵۰ 〃
(۲۸) 〃 حاجی محمد صدیق میمن صاحب۔ ٹکھٹی بندر ضلع ٹھٹھہ ۔/۷۰ 〃
(۲۹) بزم طلوعِ اسلام ڈھاکہ بذریعہ محمد اکرم راٹھور صاحب (علی الحساب) ۔/۵۰۰ 〃
(۳۰) محترم اختر علی صاحب۔ خانیوال ۔/۵۰ 〃
(۳۱) 〃 چوہدری نذیر احمد صاحب۔ شاہ پور صدر ۔/۱۵۰ 〃
(۳۲) پاکستان ہاؤس انٹرنیشنل کراچی ۔/۵۰۰ 〃
(۳۳) ایس۔ اے۔ ایم انجنیئرنگ کمپنی۔ کراچی ۔/۲۰۰ 〃
(۳۴) محترم غلام حسین صاحب۔ بیچوانی اینڈ کمپنی۔ کراچی ۔/۱۰۰ 〃
(۳۵) محمد صدیق صاحب کراچی ۔/۵۰ 〃
(۳۶) ڈاکٹر فاخر حسین صاحب۔ کراچی ۔/۱۰ 〃

کیا اقبالؒ اشتراکی تھا؟

> یہ مقالہ طلوعِ اسلام کی جولائی ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا اور اس قدر مقبول ہوا تھا کہ قارئین کا تقاضا تھا کہ اس کی اشاعتِ عام کی جائے۔ اپریل میں چونکہ علامہ اقبالؒ کی برسی منائی جاتی ہے اس لئے ہم نے اس نسبت سے مناسب سمجھا ہے کہ اس مقالہ کو دوبارہ شائع کیا جائے۔ (طلوعِ اسلام)

آجکل ہمارے ہاں، یہ موضوع بڑی شدت سے مرکزِ بحث وجدل بن رہا ہے کہ علامہ اقبالؒ اشتراکی تھے یا نہیں۔ ایک فریق انہیں، بدلائل وشواہد، اشتراکی ثابت کر رہا ہے اور دوسرا فریق انہیں، انہی کے کلام اور تحریرات سے اشتراکیت کا دشمن بتا رہا ہے۔ اربابِ دانش، مرحوم کو اس طرح رگید رہے ہیں اور عوام انگشت بدنداں ہیں کہ یہ ہمارا کس قسم کا حکیم الامت ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ

جنابِ شیخ کے نقشِ قدم یوں بھی ہیں اور یوں بھی

حضرت علامہؒ کا جو احترام ہمارے دل میں، اور ان کا جو مقام دنیائے علم وفکر میں ہے، اس کا تقاضا ہے کہ ہم حقیقتِ حال کو سامنے لاکر انہیں (کم از کم) اس الزام سے بچائیں کہ وہ، اس قدر اہم موضوع پر ایسے متضاد خیالات کے حامل تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اقبالؒ چونکہ شاعر بھی تھے اس لئے ان کے کلام میں بعض مقامات پر تضاد بھی پایا جاتا ہے۔ اور بعض نکات کے متعلق ہمیں، ان کے فہمِ قرآن سے بھی اختلاف ہے لیکن ہمارے مطالعۂ اقبالؒ کی رُو سے مسئلۂ زیرِ نظر کے متعلق ان کے ہاں تضاد نہیں اور وہ جس نتیجہ پر پہنچے ہیں، وہ ہمارے نزدیک قرآنی تعلیم کے مطابق ہے۔

واضح رہے کہ ہم اس موضوع پر اس لئے قلم نہیں اٹھا رہے کہ اگر ثابت ہو جائے کہ علامہ اقبالؒ اشتراکیت کے حامی اور مؤید تھے تو ہم کہہ دیں کہ اشتراکیت عین مطابقِ اسلام ہے اور اگر ایسا ثابت نہ ہو تو کہہ دیا جائے کہ اسلام اشتراکیت

کے خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک، کسی نظریہ یا مسلک کے اسلام کے مطابق یا مخالف ہونے کی سند اور حجت خدا کی کتاب زندہ قرآن حکیم ہے، نہ کسی فرد کا قول یا خیال۔ حتیٰ کہ ہم کسی شخص کے فہم قرآن کو بھی قرآنی سند اور حجیت کا مقام نہیں دے سکتے۔

ہم نے جب اس بحث پر غور کیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ اس مجادلہ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ہمارے ہاں "اسلام" کا کوئی متعین مفہوم نہیں ـــــ ہر فرد کا اسلام کا مفہوم الگ الگ ہے حتیٰ کہ ایک ہی شخص کا مختلف اوقات میں اسلام کا مفہوم مختلف ہوتا ہے۔ کبھی "زمین پر بے حد و نہایت ذاتی ملکیت" عین اسلام ہے اور کبھی "دو سو ایکڑ رقبہ کی تحدید" عین دین ـــــ اسی طرح اشتراکیت کا بھی کوئی متعین مفہوم سامنے نہیں لایا جا رہا اور ارباب علم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ جب کسی اصطلاح کا متعین نہ رہے تو اس کا نتیجہ الجھاؤ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ کسی لفظ یا اصطلاح کا مفہوم متعین کیجئے، آدھا مسئلہ اسی سے حل ہو جائے گا۔ لہٰذا، مسئلہ زیر نظر کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اشتراکیت کا مفہوم متعین کیا جائے۔ واضح رہے کہ "اشتراکیت" سے ہماری مراد وہ سوشلزم ہے جس کا تصور مارکس نے دیا تھا۔

کارل مارکس محض ایک ماہر معاشیات نہیں تھا۔ اس کا شمار فلاسفرز کے زمرہ میں بھی ہوتا ہے۔ اس نے بنیادی طور پر ایک فلسفہ پیش کیا تھا اور پھر اس فلسفہ کی بنیادوں پر ایک معاشی نظام کا نقشہ دیا تھا جس کی ابتدائی شکل سوشلزم اور انتہائی کمیونزم ہے۔ لہٰذا سوشلزم سے مراد ہے مارکس کا پیش کردہ فلسفۂ حیات اور اس پر متفرع معاشی نظام ـــــ مارکس کے فلسفۂ حیات کی رُو سے انسان کی زندگی بس یہی طبیعی زندگی ہے اور اس سے متعلق مسائل مادی۔ اس تصورِ حیات کے مطابق، نہ خدا کا وجود باقی رہتا ہے نہ وحی کا۔ جب وحی کا وجود باقی نہ رہے تو نہ نبوت کا تصور باقی رہتا ہے نہ اس کی وساطت سے عطا کردہ مستقل اقدار کا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد حیاتِ اُخروی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ہے (مسئلہ زیر نظر کی حد تک) مارکس کے فلسفۂ حیات کا ملخص۔

جہاں تک معاشی نظام کا تعلق ہے، مارکس کے نظریہ کا ماحصل یہ ہے کہ

(۱) نظامِ سرمایہ داری کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اب اس کی جگہ ایک ایسا نظام لے گا جو اس نظام (سرمایہ داری) کی ضد ہوگا۔

(۲) اس (جدید) نظام میں، ذرائع پیداوار افراد کی ذاتی ملکیت کے بجائے محنت کشوں کی مشترکہ ملکیت (یا تحویل) میں رہیں گے۔

(۳) فاضلہ دولت جو نظامِ سرمایہ داری کی اصل و بنیاد ہے، کسی کے پاس نہیں رہے گی۔

(۴) جب فاضلہ دولت کسی کے پاس نہیں رہے گی تو دولت کی بنیاد پر، دوسروں کی محنت کو غصب کر کے، مزید دولت کمانے کا سوال باقی نہیں رہے گا ـــــ نہ ذاتی جائیدادیں کھڑی کی جا سکیں گی ـــــ نہ انفرادی کارخانے لگائے جا سکیں گے۔ نہ سودی کاروبار ہو سکیگا، نہ یہ صورت پیدا ہو سکیگی کہ

اُمتے بر اُمتے دیگر چرد
دانہ ایں می کارد آں حاصل برد

اِن تصریحات سے واضح ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ مارکس کے پیش کردہ فلسفۂ حیات کا کبھی مؤید نہیں ہو سکتا۔ اسلام کا فلسفۂ حیات اور مارکسی فلسفۂ حیات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

اب رہا معاشی نظام، سو اگر اسلام کا مفہوم غیر متعین رکھا جائے تو پھر مارکسی نظام 'خلافِ اسلام' بھی ہو سکتا ہے اور مطابق اسلام بھی۔ لیکن اگر اس کے مفہوم کے لئے قرآنِ کریم کو حرفِ آخر قرار دے لیا جائے تو اس حقیقت کے اثبات میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ قرآن کریم نظامِ سرمایہ داری کا سخت دشمن ہے اور اشتراکی نظام قرآن کے معاشی نظام کے مماثل ہے۔

آیئے، ہم دیکھیں کہ اقبالؒ اس باب میں کیا کہتا ہے۔

اقبالؒ کا قلب دردآگیں

اقبالؒ نے اپنے سینے میں ایک دردآگیں قلب پایا تھا جو مفلسوں اور ناداروں، محنت کشوں اور مزدوروں کی زبوں حالی پر خون کے آنسو بن کر اس کی چشم گریاں سے ٹپک پڑتا تھا۔ ان کی سب سے پہلی (نثر کی) کتاب "علم الاقتصاد" ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ وہ اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

> اس میں کچھ شک نہیں کہ تاریخ انسانی کے سیلِ رواں میں اصولِ مذہب بھی بے انتہا مؤثر ثابت ہوئے ہیں۔ مگر یہ بات بھی روزمرہ کے تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوتی ہے کہ روزی کمانے کا دھندا ہر وقت انسان کے ساتھ ساتھ ہے اور چپکے سے اس کے ظاہری اور باطنی قوٰی کو اپنے سانچے میں ڈھالتا رہتا ہے۔ ذرا خیال کرو کہ غریبی یا یوں کہو کہ ضروریاتِ زندگی کے کامل طور پر پورا نہ ہونے سے انسانی طرزِ عمل کہاں تک مؤثر ہوتا ہے۔ غریبی قوائے انسانی پر بہت بڑا اثر ڈالتی ہے بلکہ بسا اوقات انسانی روح کے مجلّا آئینہ کو اس قدر زنگ آلود کر دیتی ہے کہ اخلاقی اور تمدنی لحاظ سے اس کا وجود و عدم برابر ہو جاتا ہے۔ معلمِ اوّل، یعنی حکیم ارسطو سمجھتا تھا کہ غلامی تمدنِ انسانی کے قیام کے لئے ایک ضروری جزو ہے۔ مگر مذہب اور زمانہ حال کی تعلیم نے انسان کی جبلّی آزادی پر زور دیا اور رفتہ رفتہ مہذب قومیں محسوس کرنے لگیں کہ یہ وحشیانہ تفاوتِ مدارج، بجائے اس کے کہ قیام تمدن کے لئے ایک ضروری جزو ہو، اس کی تخریب کرتا ہے اور انسانی زندگی کے ہر پہلو پر نہایت مذموم اثر ڈالتا ہے۔ اسی طرح اس زمانے میں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ آیا مفلسی بھی نظمِ عالم میں ایک ضروری جزو ہے؟

کیا یہ ممکن نہیں کہ ہر فرد مفلسی کے دکھ سے آزاد ہو؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ گلی کوچوں میں چپکے چپکے کراہنے والوں کی دل خراش صدائیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائیں اور ایک دردمند دل کو ہلا دینے والے افلاس کا دردناک نظارہ ہمیشہ کے لئے صفحۂ عالم سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے۔

یہ ۱۹۰۳ء کی بات ہے۔ غور کیجئے کہ اتنی سی عمر میں اقبالؒ کے دل میں کس قسم کے سوالات ابھر رہے تھے۔ یہ سوالات کہ (۱) آیا مفلسی بھی نظمِ عالم میں ایک ضروری جزو ہے؟ اور (۲) کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ گلی کوچوں میں چپکے چپکے کراہنے والوں کی دل خراش صدائیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائیں اور ایک دردمند دل کو ہلا دینے والا نظارہ ہمیشہ کے لئے صفحۂ عالم سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے؟ ۔۔۔ ان سوالات میں "ہمیشہ کے لئے" کے الفاظ بڑے غور طلب ہیں۔ اقبالؒ کی باقی زندگی (منجملہ دیگر) انہی سوالات کے اطمینان بخش جواب کی تلاش میں گزری۔ ظاہر ہے کہ ان کا جواب ہمارے مروجہ مذہب کے معاشی نظام سے نہیں مل سکتا تھا جس کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ نظمِ عالم کے لئے مفلسی ایک جزو لازم ہے۔ کیونکہ اگر مفلسی نہ رہے تو دولت مند لوگ صدقہ و خیرات دے کر ثواب کیسے حاصل کر سکیں گے اور مفلسی سے کراہنے والوں کی دلخراش صدائیں ہمیشہ کے لئے خاموش نہیں ہونی چاہئیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو صدقہ و خیرات سے متعلق احکامِ شریعت معطل ہو کر رہ جائیں گے۔

لیکن اقبالؒ نے ان سوالات کا جواب قرآنِ حکیم کے عالمگیر ابدی ضابطۂ حیات سے پا لیا اور انہی جوابات کو وہ امت اور عالمگیر انسانیت کے سامنے پیش کرتے رہے۔ سب سے پہلے انہیں قرآن کی دفتین سے یہ جواب

اقبالؒ اور نظامِ سرمایہ داری

ملا کہ مفلسی اور ناداری کا بنیادی سبب نظامِ سرمایہ داری ہے اور جب تک اس نظام کی جڑیں نہیں کٹتیں، کراہنے والوں کی دلخراش صدائیں خاموش نہیں ہو سکتیں۔ ان صداؤں کا علاج، محتاجوں اور مفلسوں کی جھولی میں بھیک کے ٹکڑے ڈال دینے میں نہیں۔ ان کا علاج، اس نظام کو الٹ دینے میں ہے جو انہیں مفلس اور محتاج بناتا ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر، اقبالؒ نے نظامِ سرمایہ داری کے خلاف جہاد کو اپنی زندگی کا مشن قرار دے لیا۔ وہ اپنی مشہور نظم (خضرِ راہ) میں ۔۔۔ جو ۱۹۲۲ء میں کہی گئی تھی ۔۔۔ خضر سے سوال کرتے ہیں کہ

زندگی کا راز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیا خروش

اور خضر کی زبانی اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا، ہے یہ پیامِ کائنات

لے کر تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر | شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار | انتہائی سادگی سے کھا گیا مزدور مات

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

اسی زمانہ میں ان کا فارسی مجموعہ کلام، پیامِ مشرق، شائع ہوا۔ اس کے آخری باب — "نقشِ فرنگ" — کا بیشتر حصہ محنت اور سرمایہ کے اہم موضوع کے لئے وقف ہے۔ وہ اس میں "صحبتِ رفتگان" کے عنوان کے تحت ٹالسٹائے کی زبان سے کہلواتے ہیں۔

دارو ئے بیہوشی است، تاج، کلیسا، وطن
جانِ خدا داد را خواجہ بہائے خرید

اور کارل مارکس کے یہ الفاظ دہراتے ہیں کہ

راز دانِ جزو کل، از خویش نا محرم شد است
آدم از سرمایہ داری، قاتلِ آدم شد است

ٹالسٹائے ہیگل کے فلسفۂ اضداد کو "عقلِ دورو" کی آفرینش کی تخلیق قرار دے کر، اس پر ان الفاظ میں سخت تنقید کرتا ہے کہ اس کی رُو سے وہ

درسِ رضا می دہد بندۂ مزدور را[1]

ایرانی تحریکِ کمیونزم کا بانی، مزدک، دورِ حاضر کی اضطراب انگیزیوں کو دیکھ کر، پکار اٹھتا ہے کہ

داد ایران زکشمت زار و قیصر بر دمید | مرگِ نو می رقصد اندر قصرِ سلطان و امیر
مدتے در آتشِ نمرود می سوزد خلیل | تا تہی گردد حریمِ از خداوندانِ پیر

دورِ پرویزی گزشت اے کشتۂ پرویز، خیز
نعمتِ گم گشتۂ خود را زخسرو باز گیر

اس کے ساتھ ہی مزدوروں کا نمائندہ، کوہکن، اس نغمۂ قیامت خیز کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

نگارِ من کہ بسے سادہ و کم آمیز است | ستیزہ کیش و ستم کوش و فتنہ انگیز است
برونِ او ہمہ بزم و درونِ او ہمہ رزم | زبانِ او ز مسیح و دلش ز چنگیز است

---

[1] انسانوں کا خود ساختہ مذہب غریب کو تقدیرِ خداوندی پر شاکر رہنے کی تلقین سے درسِ رضا دیتا ہے۔ (طلوعِ اسلام)

اگرچہ تیشۂ من کوہ را ز پا آورد　　　ہنوز گردشِ گردوں بکامِ پرویز است

ز خاک تا بہ فلک ہر چہ ہست راہ پیماست
قدم کشائے کہ رفتارِ کارواں تیز است

اس کے بعد ہمارے سامنے فرانسیسی فلاسفر، آگسٹس کومٹے اور مردِ مزدور کا مکالمہ آتا ہے۔ کومٹے فلسفۂ مادیت کا علمبردار تھا اور طبقات کی تقسیم کو عین مطابقِ فطرت قرار دیتا تھا۔ اس کے فلسفہ کے جواب میں مردِ مزدور کہتا ہے۔

فریبی بحکمت مرا اے کلیم　　　کہ نتواں شکست ایں طلسمِ قدیم
مسِ خام را از زر اندودۂ　　　مرا خوئے تسلیم فرمودۂ
حقِ کوہکن دادی اے نکتہ سنج　　　بہ پرویزِ پرکار و نابردہ رنج
جہاں راستا بُردزی از دستِ مزد　　　ندانی کہ ایں ہیچ کارہ است دزد

بپے جرمِ او پوزش آوردۂ؟
بایں عقل و دانش فسوں خوردۂ؟

ازاں بعد سرمایہ دار اور مزدور کا قسمت نامہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس تقسیم کی رُو سے سرمایہ دار مزدور سے کہتا ہے کہ میاں! اس حقیقت کو فراموش نہ کرو کہ

غوغائے کارخانۂ آہنگری زمن　　　گلبانگِ ارغنونِ کلیسا از آنِ تو
نخلے کہ شہ خراج برو می نہد زمن　　　باغِ بہشت و سدرہ و طوبیٰ از آنِ تو
تلخابہ کہ دردِ سر آرد از آنِ من　　　صہبائے پاکِ آدم و حوا از آنِ تو

ایں خاک و آنچہ در شکمِ او از آنِ من
وز خاک تا بہ عرشِ معلیٰ از آنِ تو

اور پھر مزدور کی یہ دلخراش صدائے دردناک ہمارے کانوں میں آتی ہے۔

ز مزدِ بندۂ کرپاس پوش و محنت کش　　　نصیبِ خواجۂ ناکردہ کار رختِ حریر
ز خوئے فشانئ من لعلِ خاتمِ والی　　　ز اشکِ کودکِ من گوہرِ ستامِ امیر
ز خونِ من چو زلو فربہی کلیسا را　　　بزورِ بازوئے من دستِ سلطنت ہمہ گیر

خرابہ رشکِ گلستاں ز گریۂ سحرم
شبابِ لالہ و گل از طراوتِ جگرم

اور اس کا ردِ عمل ـــــ

بیا کہ تازہ نوا می تراود از رگِ ساز — مئے کہ شیشہ گداز د بساغر اندازیم
مغان و دیرِ مغاں را نظامِ تازہ دہیم — بنائے میکدۂ کہن بر اندازیم
ز رہزنانِ چمن انتقامِ لالہ کشیم — بہ بزمِ غنچہ و گل طرحِ دیگر اندازیم

بطوفِ شمع چو پروانہ زیستن تا کے
ز خویش ایں ہمہ بیگانہ زیستن تا کے

یہی حشر بداماں پیغامِ انقلاب ہے جسے " زبورِ عجم " میں ان الفاظ میں وجۂ تزلزلِ قصرِ سرمایہ داری بنایا گیا ہے۔

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب — از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاں خراب

انقلاب

اِنقلاب ۔ اے اِنقلاب

" بالِ جبریل " میں فرشتوں کا گیت ' اسی روحِ انقلاب کا طنزیہ نشتر ہے۔ وہ خدا کے کائنات کو مخاطب کر کے شکوہ سنج ہیں کہ

خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہہ و میر و پیر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی
تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند بام ابھی!

اور یہی وہ " عرش کے کنگورے ہلا دینے والا " احتجاج ہے جس کے جواب میں خدا کی طرف سے فرشتوں کو حکم ملتا ہے کہ ـــ

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو — کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی — اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے — پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
حق را بسجودے صنماں را بطوافے — بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھا دو

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو!

یہی بات "ضربِ کلیم" میں ان الفاظ میں کہی گئی ہے کہ

اے شیخ امیروں کو مسجد سے نکلوا دے
ہے ان کی نمازوں سے محراب ترش ابرو!

اس لئے کہ

کثرتِ نعمت گداز از دل برد　　نازی آرد نیاز از دل برد
سالہا اندر جہاں گردیدہ ام　　نم بچشمِ منعماں کم دیدہ ام　　(جاوید نامہ)

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کسی اشتراکی ذہن نے نہیں بلکہ کسی کمیونسٹ) نے اس سے زیادہ تند و تیز الفاظ میں نظامِ سرمایہ داری کو اُلٹنے کے لئے دعوتِ انقلاب دی ہے؟ بالِ جبریل میں لینن خدا کے حضور یہ شکایت کرتا دکھائی دیتا ہے کہ

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں　　ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ　　دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات

اور اس کا جواب چار ہی قدم آگے چل کر ہمیں اقبالؒ کے الفاظ میں یہ ملتا ہے کہ

گیا دورِ سرمایہ داری گیا
تماشہ دکھا کر مداری گیا

جاوید نامہ میں مسلمان کی تباہی و بربادی کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

چہار مرگ اندر پئے ایں دیر میر
سود خوار و والی و ملا و پیر

دوسری جگہ ہے

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری　　اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

ملا و پیر غریبوں اور ناداروں کو جس اسلام کا سبق پڑھاتے ہیں اقبالؒ اسے ابلیس کا پیدا کردہ فریب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ارمغانِ حجاز میں ابلیس کی زبان سے کہلوایا گیا ہے کہ

میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا　　میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں

اور دورِ حاضر کے علم و فلسفہ اور تجارت و سیاست کو ملوکیت کی دسیسہ کاریوں کی تخلیق۔

یہ علم یہ حکمت یہ سیاست یہ تجارت
جو کچھ ہے وہ ہے فکرِ ملوکانہ کی ایجاد　　(ارمغانِ حجاز)

---(۰)---

مثبت نظامِ معیشت

اقبالؒ اس طرح نظامِ سرمایہ داری کے بت سامری کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے آگے بڑھتے ہیں اور قرآنی نظامِ معیشت کی بنیادی شقوں کو سامنے لاتے ہیں۔ نظامِ سرمایہ داری کی بنیاد اس نظریہ پہ ہے کہ ذرائع پیداوار افراد کی ذاتی ملکیت میں رہنے چاہئیں۔ اقبالؒ کے نزدیک یہ نظریہ قرآنی نظریۂ معیشت کی یکسر نقیض ہے اور ابلیسانہ فکر کی ایجاد۔ ذرائع پیداوار میں بنیادی حیثیت زمین (ارض) کو حاصل ہے۔ اس باب میں اقبالؒ کا نظریہ اس قدر واضح ہے کہ اس میں دو آراء ہو نہیں سکتیں۔ جاوید نامہ میں انہوں نے "محکماتِ عالمِ قرآنی" کے جو تین ستون بیان کئے ہیں ان میں ایک ستون یہ ہے کہ

ارضِ ملکِ خداست!

اس عنوان کے تابع وہ لکھتے ہیں کہ

حق زمیں را جز متاعِ ما نگفت — ایں متاعِ بے بہا مفت است مفت
دہ خدایا! نکتۂ از من پذیر — رزق و گور از وے بگیر او را مگیر

باطنِ "الارض للہ" ظاہر است
ہر کہ ایں ظاہر نبیند کافر است

ہم نہیں سمجھتے کہ اقبالؒ اس مسئلہ کے متعلق اس سے واضح تر الفاظ میں اور کیا کہہ سکتا تھا۔ آپ نے غور نہیں فرمایا کہ وہ مسئلہ ملکیت زمین کو کفر و ایمان کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین کو افراد کی ذاتی ملکیت قرار دینا کفر ہے۔

آگے چل کر کہتے ہیں کہ

رزقِ خود را از زمیں بُردن رواست — ایں متاع "بندہ" و ملکِ خداست

اور اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

ایکہ می گوئی متاعِ ما ز ماست — مردِ ناداں ایں ہمہ ملکِ خداست
ارضِ حق را ارضِ خود دانی، مگو! — چیست شرحِ آیۂ لَا تُفْسِدُوْا
ابنِ آدم دل بابلیسی نہاد! — من ز ابلیسی ندیدم جز فساد

بر وہ چیزے کہ از آنِ تو نیست
داغم از کارے کہ شایانِ تو نیست

اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ ؎

ملک یزداں را بہ یزداں باز دِہ تا ز کارِ خویش بکشائی گرہ

"ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" (ارمغانِ حجاز) میں ابلیس کی زبان سے کہلوایا گیا ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب

بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

"بالِ جبریل" میں اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ نظم کا عنوان ہے۔

اَلْاَرْضُ لِلّٰہِ!

وہ زمیندار کو جو اپنے آپ کو زمین کا مالک سمجھتا ہے، مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب

کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب

کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب

دہ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں

جب یہ زمین تیرے آباء کی نہیں تھی تو اسے وراثت میں پا کر مالک بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب یہ نہ تیری ہے نہ میری، تو اسے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کیسے کیا جا سکتا ہے؟ یہ خدا کی ہے اور قرآن کی رو سے جس چیز کو خدا اپنی طرف منسوب کرتا ہے اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ تمام انسانوں کے فائدے کے لئے کھلی رہے گی کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں جا سکے گی۔ جیسے اس نے جب کعبے کے متعلق کہا کہ وہ میرا گھر (بیتی) ہے تو اس کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ اسے للناس بنایا گیا ہے یعنی تمام نوعِ انسانی کے فائدے کے لئے۔ اس لئے وہ سواء ن العاکف والباد ہے۔ یعنی وہاں کے رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں سب کے لئے یکساں طور پر کھلا۔۔۔ یہی حیثیت زمین کی ہے، وہ نوعِ انسانی کے لئے متاع (سامانِ زیست حاصل کرنے کا ذریعہ) ہے کسی کی ذاتی جائیداد نہیں۔

فاضلہ دولت

جیسا کہ شروع میں لکھا جا چکا ہے نظامِ سرمایہ داری کی بنیاد فاضلہ دولت (SURPLUS MONEY) ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کا فیصلہ صاف اور واضح ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہے۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۔ اے رسول! تجھ سے یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر دولت رفاہِ عامہ کے لئے دے دیں۔ قُلِ الْعَفْوَ۔ (۲/۲۱۹) ان سے کہہ دو کہ تمہاری ضروریات سے زائد جس قدر ہے، سب کی سب۔ اس فیصلہ نے فاضلہ دولت کا تصور ہی ختم کر دیا۔ قرآنِ کریم کے اسی فیصلہ کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے اقبالؒ جاوید نامہ میں کہتے ہیں کہ قرآن نے

با مسلماں گفت جاں برکف بنہ

ہرچہ از حاجت فزوں داری بدہ

جب روس میں اشتراکیت کا انقلاب برپا ہوا تو اقبالؒ کی نگہ ژرف بین دوور رس نے اس میں فطرت کے اس اشارہ کو مضمر دیکھا کہ وہ دور قریب آرہا ہے جب قرآن کا معاشی نظام وجہ ثباتی عالم بن جائے گا۔ ضرب کلیم کی یہ نظم (جس کا عنوان اشتراکیت ہے) اسی حقیقت کی پردہ کشائی کرتی ہے۔

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم

بے سود نہیں روس کی یہ گرمی رفتار

اندیشہ ہوا شوخیٔ افکار پہ مجبور | فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار

انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر | کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں | اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

جو حرف قُلِ الْعَفْو میں پوشیدہ ہے اب تک

اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

جب قرآن کی یہ مضمر حقیقت نمودار ہوگی تو اس وقت اس دنیا کا نقشہ کیا ہوگا، اسے اقبالؒ نے جاوید نامہ میں ’فلک مریخ پر شہر مرغدین (دین کا گلستان)‘ کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ اس میں،

سخت کوش دہقاں چراغش روشن است | از نہاب دہ خدایاں ایمن است

کشت و کارش بے نزاع آبجوست | حاصلش بے شرکت غیرے از دوست

اور

نے بیازاراں زبیکاراں خروش | نے صدائے گدایاں دردِ گوش!

اقبالؒ اپنی ۱۹۰۳ء کی آرزو کو (جس کا ذکر شروع میں کیا جاچکا ہے)، قرآنی نظام کی اس آئیڈیل دنیا میں پورا ہوتے دیکھتا ہے جہاں کیفیت یہ ہے کہ

کس دریں جا سائل و محروم نیست

عبد و مولا۔ حاکم و محکوم نیست

اسی کو وہ دین کا ماحصل قرار دیتا ہے جب کہتا ہے کہ

کس نگردد در جہاں محتاج کس | نکتۂ شرع مبیں این است و بس

—— (۰) ——

اقبالؒ نے معاشی نظام کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ آپ اس پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ کیا اس میں اور اشتراکیت (بلکہ اس کی آخری شکل کمیونزم) کے معاشی نظام میں کچھ بھی فرق ہے؟ جو حضرات اقبالؒ کو اشتراکیت کے معاشی نظام کا مخالف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہم انہیں چیلنج دیتے ہیں کہ وہ اقبالؒ کے کلام سے ایک مصرعہ ایسا نکال کر دکھائیں جس میں اس نے اس نظام کے خلاف کچھ کہا ہے جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں آپکے سامنے آچکی ہے۔ اقبالؒ کو یقین تھا کہ جس معاشی نظام کو اس نے قرآن سے سمجھا ہے وہ عہدِ رسالتمآبؐ میں عملاً متشکل ہو گیا تھا اور چونکہ وہ نظام، اشتراکیت کے مماثل تھا اسلئے ابوجہل کو یہ مغالطہ لگ رہا تھا کہ

این مساوات، این مواخات، اعجمی ست

خوب می دانم که سلمانؓ مزدکی ست

۲۔ اشتراکیت کی مخالفت

یہاں تک ہم نے دیکھ لیا ہے کہ اقبالؒ اشتراکی نظامِ معیشت کا پورا پورا حامی تھا کیونکہ وہ نظام قرآن کے معاشی نظام کے مماثل ہے۔ لیکن اقبالؒ، اشتراکیت کے فلسفۂ حیات کا حامی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ فلسفہ، قرآن کے فلسفۂ زندگی کی یکسر نقیض ہے۔ لہٰذا اس نے اس فلسفۂ حیات کی تردید اور مخالفت کی اور سخت مخالفت کی۔ اس فلسفہ کی بنیاد "انکار" پر ہے جسے اقبالؒ لَا سے تعبیر کرتا ہے — خدا کا انکار، وحی کا انکار — مستقل اقدار کا انکار۔ اُخروی حیات کا انکار — اقبالؒ نے اس فلسفہ پر تنقید کی اور کہا کہ اس پر متفرع نظامِ زندگی کبھی پروان نہیں چڑھ سکتا۔ وہ اپنی مثنوی — پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق — میں لکھتے ہیں ؎

کردہ ام اندر مقاماتش نگہ

لا سلاطیں، لا کلیسا، لا اِلٰہ

لا سلاطین اور لا کلیسا تک تو بات درست ہے کہ یہ نظام سرمایہ داری کے کل پرزے ہیں لیکن لا اِلٰہ کے بعد اِلّا اللہ نہایت ضروری ہے۔ اسلئے کہ

در مقامِ لَا نیا ساید حیات | سوئے اِلّا می خرامد کائنات

لا و اِلّا برگ و سازِ امتاں | نفیِ بے اثبات مرگِ امتاں

وہ جاوید نامہ میں ملتِ روسیہ کو حسبِ ذیل پیغام دیتے ہیں۔

تو کہ طرحِ دیگرے انداختی — دل ز دستورِ کہن پرداختی

کردہٴ کارِ خداونداں تمام — بگذر از لا جانبِ اِلّا خرام

درگذر از لا اگر جویندہٴ — تارہِ اثبات گیری زندہٴ

اے کہ می خواہی نظامِ عالمے

جُستۂ اُو را اساسِ محکمے

یہ اساسِ محکم اسے کہاں سے ملے گی؟ — کہتے ہیں۔

داستانِ کہنہ شُستی باب باب — فکر را روشن کن از اُمّ الکتاب

(۸)

ان تصریحات سے آپ نے دیکھ لیا کہ اقبالؔ اشتراکیت کے معاشی نظام کی تو حمایت کرتا ہے لیکن اشتراکیت کے فلسفۂ حیات کا سخت مخالف ہے۔ خود کارل مارکس کی بھی دو حیثیتیں ہیں جنہیں وہ بڑے بلیغ اور حسین انداز میں بیان کرتا ہے وہ اس کے متعلق کہتا ہے

صاحبِ سرمایہ از نسلِ خلیل

یعنی آں پیغمبرِ بے جبرئیل

یعنی وہ پیامبرِ انقلاب تو ہے لیکن وحی کی راہ نمائی سے محروم ہے۔ اس کا انقلابی پروگرام (جو نظامِ سرمایہ داری کو مٹا کر اس کی جگہ اشتراکی نظام قائم کرنے کا داعی ہے جو قرآنی نظام کے مماثل ہے) برحق ہے لیکن اس کا فلسفۂ زندگی یکسر باطل ہے۔

زانکہ حق در باطلِ او مضمر است — قلبِ او مومن دماغش کافر است

کس قدر برجستہ اور بلیغ ہے یہ تجزیہ! اس کا قلب درد آگیں مفلسوں، محتاجوں، مزدوروں، محنت کشوں کے مصائب سے وقفِ اضطراب ہے اور ان کی مشکلات کے حل کے لئے ایسا انسانیت ساز نظام تجویز کرتا ہے اس لئے قلب مومن ہے۔ لیکن اس کا فلسفہ یکسر باطل ہے اس لئے "دماغش کافر است" — اس مقام پر مارکس کو "پیغمبرِ بے جبرئیل" کہا گیا ہے۔ ارمغانِ حجاز میں مشیرِ ابلیس کی زبان سے اس کے متعلق کہلوایا ہے کہ

وہ کلیم بے تجلّی، وہ مسیحِ بے صلیب

نیست پیغمبر و لیکن دربغل دارد کتاب

یعنی ایک عظیم داعیٔ انقلاب، جو وحی کی روشنی سے محروم ہے۔ مارکس (یا اشتراکیت) کی اس محرومی اور بے بصری پر اقبالؔ کا دل کڑھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وحی کی اساسِ محکم نہ ہونے کی وجہ سے اس قدر عظیم انقلابِ انسانیت

ناکام رہ جائیگا۔ وہ ہزار جان سے چاہتا ہے کہ اس انقلاب کے داعی، اپنے فلسفۂ حیات کے لئے قرآن سے رہنمائی حاصل کریں تاکہ یہ معاشی انقلاب ابدہ وکنار ہوجائے۔ اس امتزاج سے یہ عین مطابقِ اسلام ہوجائیگا۔ جب اقبال نے ینگ ہسبنڈ کو کہا تھا کہ

بالشوزم + خدا = اسلام

تو اس سے اس کا مقصد یہی تھا کہ اشتراکیت کے معاشی نظام کو اگر قرآن کے فلسفۂ حیات کی بنیادوں پر استوار کرلیا جائے تو یہ اسلام کے مماثل ہوجائے گا اور اسی میں نوعِ انسانی کی نجات کا راز وابستہ ہے۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ !

—— (٥) ——

تصریحاتِ بالا سے واضح ہے کہ

(۱) جہاں تک معاشی نظام کا تعلق ہے، اقبال یقیناً اشتراکی ہے کیونکہ وہ اشتراکیت کے معاشی نظام کا قائل ہے جو قرآن کے معاشی نظام کے مماثل ہے۔ اور

(۲) جہاں تک اشتراکیت کے فلسفۂ حیات کا تعلق ہے، اقبال ہرگز اشتراکی نہیں کیونکہ وہ اشتراکیت کے فلسفۂ حیات کا مخالف ہے جو قرآن کے پیش کردہ فلسفۂ زندگی کی نقیض ہے۔

اور یہی اس بحث کا ماحصل ہے۔

تکملہ

جس طرح علامہ اقبالؒ نے اشتراکیت کے فلسفۂ حیات اور اسکے معاشی پروگرام کو الگ الگ کرکے اول الذکر کی مخالفت اور ثانی الذکر کی تائید کی ہے، اگر ہمارے ہاں کا وہ گروہ جو "اسلامی اشتراکیت" کا داعی ہے، اشتراکیت کا اسی طرح تجزیہ کرکے یہ واضح کر دیتا کہ وہ اشتراکیت کے فلسفۂ حیات کے مخالف ہیں کیونکہ وہ فلسفۂ اسلام کے فلسفۂ زندگی کی نقیض ہے اور صرف اشتراکیت کا وہ معاشی نظام پاکستان میں رائج کرنا چاہتے ہیں جو قرآن کے معاشی نظام کے خلاف نہیں تو وہ آپ مخالفین کی تنقید و تشنیع کے ان تیروں سے محفوظ رہ جاتے جن کے وہ اس وضاحت کی عدم موجودگی کی وجہ سے بُری طرح ہدف بنائے جا رہے ہیں، اور قوم اس انتشارِ فکر و نظر سے بچ جاتی جس میں وہ اس وقت اس شدت سے گرفتار ہو رہی ہے۔ معلوم اتنی سی بات ان حضرات کی سمجھ میں نہیں آتی یا وہ عمداً اس سے گریز کرتے ہیں۔ وجہ کچھ بھی ہو، اس سے خود ان کے مقصد کو بھی سخت نقصان پہنچ رہا ہے اور قوم کو بھی جسے نظامِ سرمایہ داری کے حامی محض اس وضاحت کے نہ ہونے سے اسلام کے نام پر مبتلائے فریب رکھ رہے ہیں۔ (طلوعِ اسلام)

—— (٥) ——

محمد ابراہیم، کراچی

"مذہب" "سوشلزم" "دینِ اسلام"

ہمارے ملک و قوم کی سب سے بڑی حرماں نصیبی یہ ہے کہ فکر و بصیرت کی روشنی میں اپنی راہیں اور منزل کا تعین کرنے کے بجائے، وہ جذبات کے ہنگاموں میں کھو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی ہر جد و جہد بگولوں کا رقص بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کا سفر آوارگی میں بدل جاتا ہے جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ چند خوبصورت الفاظ، جذباتی نعرے، اور دلفریب اصطلاحیں ہوتی ہیں جن کے محور پر اس کی توانائیاں گردش کرتی ہیں اور بس۔ یہ الفاظ، نعرے اور اصطلاحیں کوئی متعین مفہوم نہیں رکھتے بلکہ اس کے قلب و نگاہ کی پریشانی اور واماندگی کے مظہر ہوتے ہیں اور وہ اس خوش فہمی اور خود فریبی میں مبتلا رہتی ہے کہ اس کا شمار بھی زندہ اور سرگرمِ عمل قوموں میں ہے۔ یہ حقیقت ہے تو بڑی تلخ اور ناخوشگوار لیکن کیا کیجے کہ ہے حقیقت۔

آج پوری شدت سے یہ نعرہ بلند کیا جا رہا ہے کہ "پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ۔" آپ یقیناً اس سے متفق ہوں گے کہ ہماری ملت کا ہر فرد اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ ایک کمیونسٹ کو بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب اپنے آپ کو کمیونسٹ کہتا ہے تو اس کا مفہوم کیا ہوتا ہے۔ جمہوری نظام کا مدعی پوری طرح جانتا ہے کہ اس کے ذہن میں جمہوریت کا ایک متعین تصور موجود ہے۔ لیکن جب اسلام کے بڑے سے بڑے مدعیوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تم جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو تو اس سے تمہاری مراد کیا ہے یعنی تمہارے نزدیک مسلمان کی تعریف کیا ہے، تو وہ یوں منہ تکتے رہ جاتے ہیں جیسے کسی دہقان سے افلاطون کا فلسفہ پوچھ لیا ہو۔ اور جو جواب ان کے یہاں سے ملتے ہیں "منیر کمیٹی" کی رپورٹ اس پر شاہد ہے۔ یہ ہے فکر و نظر کا وہ انتشار جس میں پوری قوم کھوتی چلی آ رہی ہے اور یہ اس لئے کہ صدیوں سے ہم جذبات کے دھاروں میں بہتے چلے آ رہے ہیں۔ سنجیدگی سے حقائق کا سامنا کرنے اور ان کی گہرائیوں کا جائزہ لینے کی ہم میں وہ صلاحیت موجود نہیں جو ہر زندہ قوم کا طرۂ امتیاز قرار پاتی ہے۔

جب کسی قوم پر زوال آتا ہے تو اس کی زندگی کا ہر شعبہ انحطاط پذیر ہو جاتا ہے اور اس کا اثر خاص طور پر اس کی فکری صلاحیتوں پر پڑتا ہے۔ چونکہ قوم میں جدتِ افکار و قوتِ تخلیق باقی نہیں رہتی اس لئے وہ تقلید جامد کو مقصدِ زندگی قرار دے لیتی ہے اور اپنے افلاس فکر و نظر اور فقدان تدبر و اجتہاد کو اسلاف پرستی کے مقدس نقاب میں چھپا کر اپنے آپ کو دھوکا دے لیتی ہے۔ زوالِ بغداد کے بعد یہ تمام خرابیاں ابھر کر سطح پر آگئیں اور مذہبی پیشوائیت نے یہ کہہ کر امت کو سلا دیا کہ مذہب جو کچھ بننا تھا بن چکا، جتنا کچھ سمجھا جانا تھا سمجھا جا چکا۔ اب اس میں نہ تغیر و تبدل ہو سکتا ہے نہ حک و اضافہ۔ یہ مذہب علماء کو اسلاف سے وراثت میں ملا ہے۔ اس لئے اسے صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم مذہب کے ہر معاملہ میں علماء کی طرف رجوع کرو اور ان کے فیصلوں کو خدا اور رسول کا فیصلہ سمجھو۔ چونکہ عقل کو مذہب میں کوئی دخل نہیں اسلئے اگر علماء کا کوئی حکم تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو اس کے سمجھنے پر اصرار نہ کرو۔ بزرگوں کے راستے پر آنکھیں بند کر کے چلتے جاؤ کہ یہی صراطِ مستقیم ہے۔ یاد رکھو! تمہارا زمانہ فسق و فجور کا زمانہ ہے۔ اس میں گنہگار رہتے ہیں۔ تمہارے اسلاف کا زمانہ علم و تقویٰ کا زمانہ تھا۔ اسلئے تم گنہگار اس کے اہل نہیں ہو کہ مذہب کے معاملات میں دخل دو۔ ان لوریوں سے انہوں نے قوم کو سلا دیا اور اس طرح ان کے دلوں کی گہرائیوں میں برہمنیت کی مسند بچھا کر بیٹھ گئے۔ اب انہیں قوم سے تو کوئی خطرہ نہیں تھا البتہ وہ اپنے باہمی اختلافات سے خوفزدہ تھے اس کے لئے انہوں نے عقاید میں شدت اور تعصب پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ ان کے متبعین ان عقاید میں ذرا سی لغزش یا تبدیلی کے خیال سے کانپ اٹھیں اور اس میں انہیں اپنا ایمان جاتا دکھائی دے۔

مذہب کو ایک پرائیویٹ حیثیت دے کر اسے احبار و رہبان (علماء و مشائخ) کے ہاتھوں میں سونپ دینے کا جو سلسلہ دینی لامرکزیت اور ملت کا شیرازہ بکھرنے کے زمانہ سے شروع ہوا تھا وہ آج تک جاری ہے۔ دنیا میں متعدد اسلامی مملکتیں موجود ہیں لیکن ہر جگہ دین اور دنیا کی ثنویت کا نظام کارفرما ہے حکومت بادشاہوں کے ہاتھ میں ہے اور مذہب علماء کے تسلط میں۔

مسائل زندگی میں متعین اسلامی مفہوم اور واضح تصور اختیار نہ کرنے سے جہاں ملک و ملت کی اور مشکلات بڑھتی جا رہی ہیں وہاں سب سے زیادہ تباہ کن صورت یہ پیدا ہو رہی ہے کہ مفاد پرست گروہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جس روش میں انہیں اپنا فائدہ نظر آتا ہے اسے اسلام کا نام دے کر آگے بڑھا دیتے ہیں اور جو اس کی مخالفت کرے اسے نکو بنا دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب تک اسلام اور اس کے تصورات متعین ہو کر عوام کے سامنے نہیں آتے یہ عناصر حسب ضرورت نت نئے مفہوم ایجاد کر کے اپنی مفاد پرستیوں میں سرگرم کار رہیں گے۔ ان کی میکیاولی سیاست آئے دن اسلام کے نام پر گرگٹ کی طرح اپنا رنگ اور طور طریقے بدلتی رہے گی۔

مثال کے طور پر آج جمہوریت بھی عین اسلام ہے اور مطلق العنان بادشاہت بھی اسلام۔ غلامی کا مٹانا بھی عین اسلام ہے اور اس کے برعکس جنگ کے قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانا اور انہیں فروخت کرنا بھی عین اسلام۔ ہوس رانیوں اور عیش پرستیوں کو بند کرنے والا بھی اسلام ہے اور اسکے برعکس ایک ایک ہوس پرست کے محلات میں ہزار ہزار کنیزوں کی اجازت دینا بھی اسلام ہے۔ عورت اور مرد کو مساوی حیثیت دینے والا بھی اسلام ہے، اور اس کے خلاف عورتوں کو مردوں کے رحم و کرم پر چھوڑنے والا بھی اسلام ہے۔ زمینداروں سے زمین چھین کر مزارعوں کو دے دینے کی تحریک بھی اسلام ہے اور اس کے خلاف زمینداروں کو اپنے باپ دادا کی زمینوں پر سانپ بن کر بیٹھے رہنا بھی اسلام ہے۔ جاگیرداروں کی جاگیریں ختم کرنا بھی عین اسلام ہے اور اس کے خلاف بڑے بڑے عظیم القدر کارخانوں کا مالک بن کر سرمایہ داری کی قارونیت کا قیام و دوام بھی اسلام ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ اسلام میں بہت سے فرقے ہیں' اس لئے وہ اختلافات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے' مختلف فرقوں کے باہمی اختلافات ہوں گے۔ اول تو یہ دلیل بجائے خویش بڑی کمزور ہے۔ اگر مختلف فرقوں کا اسلام الگ الگ ہے تو جس اسلامی نظام کو یہاں قائم کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ کہاں سے آئے گا کیا وہ کسی ایک فرقہ کا اسلام ہوگا؟ اگر کسی ایک فرقہ کا اسلام ہوگا تو باقی فرقے والے اسے کس طرح اسلام تسلیم کریں گے؟ اور اگر کہا جائے کہ وہ مختلف فرقوں کے اسلام کا مرکب ہوگا تو کیا یہ ممکن بھی ہے کہ مختلف عناصر کے باہم گھر ملانے سے ایک وحدت ظہور میں آجائے؟ جمع بین النقیضین تو ناممکنات میں سے ہے۔ آپ (مثلاً) اہل حدیث اور بریلوی حضرات کی نماز کو ملا کر تو ایک نماز بنا نہیں سکتے' ان کے اسلام کو ایک دوسرے میں مدغم کر کے ایک اسلام کیسے بنا سکیں گے؟

لیکن ہم فرقوں کو چھوڑ کر صرف ایک ایسی جماعت کو لیتے ہیں جو یہاں اسلامی نظام قائم کرنے کی اجارہ دار ہے۔ اور دیکھتے ہیں کہ کیا ان کا اسلام بھی شروع سے آخر تک ایک ہی چلا آرہا ہے یا اس میں بھی وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور اگر اس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ جس اسلامی نظام کو وہ یہاں نافذ کرنا چاہتے ہیں وہ خود ان کے پیش کردہ مختلف "اسلاموں" میں سے کون سا اسلام ہوگا اور اس کی کیا گارنٹی ہوگی کہ وہ آگے چل کر تبدیل نہیں کر دیا جائے گا۔ کیونکہ مودودی صاحب کا پیش کردہ اسلام یہ بھی ہے کہ جو اصول کسی تحریک کے ابتدائی دور میں اختیار کئے جائیں' اقتدار حاصل ہونے پر ان میں تبدیلی کر لینا عین مطابق اسلام ہے۔

آئیے ہم مودودی صاحب کے پیش کردہ اسلام کے مختلف ایڈیشنوں میں سے چند ایک شقوں کا جائزہ لیں۔

۱۔ بالغ رائے دہی

ملک کے ہر بالغ مسلمان کو رائے دینے کا حق ہونا چاہیئے یا نہیں' اور اگر ہر بالغ

رائے دینے کا حق دے دیا گیا تو اس کی حیثیت کیا ہوگی۔ اس سلسلہ میں مودودی صاحب کا پہلے فیصلہ یہ تھا۔

ایک قوم کے تمام افراد کو محض اس وجہ سے کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں حقیقی معنوں میں مسلمان فرض کر لینا اور یہ امید کرنا کہ ان کے اجماع سے جو کام ہوگا اسلامی اصول ہی ہوگا پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔ یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے حق کو حق جان کر قبول کیا ہے نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابلِ داد ہے۔　　(ترجمان القرآن، محرم ۱۳۶۰ھ)

مودودی صاحب ایسے مسلمانوں کو نہ مسلم ہی نہیں بلکہ جانور قرار دیتے تھے۔ ارشاد تھا۔

غرض آپ اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کا جائزہ لیں گے تو اس میں آپ کو بھانت بھانت کا مسلمان نظر آئے گا۔ مسلمانوں کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ شمار نہیں کر سکیں گے۔ یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل، کوے، گدھ، بٹیر، تیتر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں۔　　(ترجمان القرآن، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ)

۲۔ صدر یا ممبران کا انتخاب

عوام کی رائے سے جس قسم کا صدر یا ممبران منتخب ہوں گے ان کے متعلق مودودی صاحب فرماتے تھے :۔

جہاں ایسے لوگوں کی کثرت ہو وہاں کبھی یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ انتخابات میں ان کے ووٹوں سے وہ صالحین منتخب ہوں گے جو منہاج نبوت پر حکومت کرنے والے ہوں۔ جمہوری انتخاب کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے دودھ کو بلو کر مکھن نکالا جاتا ہے۔ اگر دودھ زہریلا ہوگا تو اس سے جو مکھن نکلے گا، قدرتی بات ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ زہریلا ہوگا۔ اسی طرح اگر سوسائٹی بگڑی ہوئی ہو تو اس کے ووٹوں سے وہی لوگ منتخب ہو کر برسرِ اقتدار آئیں گے جو اس سوسائٹی کی خواہشاتِ نفس سے سندِ قبولیت حاصل کر سکیں گے۔　　(ترجمان القرآن، محرم ۱۳۶۰ھ)

۳۔ جمہوری حکومت

جمہوری حکومت کے متعلق مودودی صاحب فرماتے تھے۔

"جمہوری حکومت میں اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آتا ہے جن کو ووٹروں کی پسندیدگی حاصل ہو۔ ووٹروں میں اگر اسلامی ذہنیت اور اسلامی فکر نہیں ہے، اگر وہ صحیح اسلامی کیریکٹر کے عاشق نہیں ہیں، اگر وہ اس بے لاگ عدل اور ان بے لچک اصولوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں جن پر اسلامی حکومت چلائی جاتی ہے تو ان کے ووٹوں سے کبھی مسلمان قسم کے آدمی منتخب ہو کر پارلیمنٹ یا اسمبلی میں نہیں آ سکتے۔ اس ذریعہ سے تو اقتدار انہی لوگوں کو ملے گا جو مردم شماری کے رجسٹر میں چاہے مسلمان ہوں مگر اپنے نظریات اور طریق کار کے اعتبار سے جن کو اسلام کی ہوا بھی نہ لگی ہو۔ (ایضاً)

۴۔ اکثریتی اور اقلیتی پارٹی

اقلیتی اور اکثریتی پارٹیوں کے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

جو جماعت کسی طاقتور نظریہ اور جاندار اجتماعی فلسفہ کو لے کر اٹھتی ہے وہ ہمیشہ قلیل التعداد ہی ہوتی ہے اور قلتِ تعداد کے باوجود بڑی بڑی اکثریتوں پر حکومت کرتی ہے۔ روسی کمیونسٹ پارٹی کے ارکان کی تعداد اس وقت صرف ۳۲ لاکھ ہے اور انقلاب کے وقت اس سے بھی کم تھی۔ مگر اس نے ۷ کروڑ انسانوں کو مسخر کر لیا۔ مسولینی کی فاشسٹ پارٹی صرف ۴ لاکھ ارکان پر مشتمل تھی اور روم پر مارچ کرتے وقت ۳ لاکھ تھی۔ مگر یہ قلیل تعداد ساڑھے چار کروڑ اطالوی باشندوں پر چھا گئی۔ یہی حال جرمنی کی نازی پارٹی کا ہے۔ اگر قدیم زمانے کی مثالیں خود اسلامی تاریخ سے دیجائیں تو ان کو یہ کہہ کر ٹالا جا سکتا ہے کہ وہ زمانہ گزر گیا اور وہ حالات بدل گئے لیکن یہ تازہ مثالیں آپکے اس زمانہ کی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قلت آج بھی حکمران بن سکتی ہے بشرطیکہ وہ اسی طرح مجاہدہ کرے جس طرح ایک اصول اور مسلک رکھنے والی جماعت کیا کرتی ہے اور محدود اغراض کے لئے لڑنے کے بجائے ایسے اصولوں کے لئے لڑے جو لوگوں کی زندگی کے مسائل کو حل کرنے والے دلوں اور دماغوں کی اپیل کرنے والے اور انسانی توجہات کو اس جماعت کیطرف کھینچنے والے ہوں۔

(ترجمان القرآن۔ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ)

۵۔ جماعت سازی

جماعت سازی کے متعلق مودودی صاحب کا فیصلہ یہ تھا۔

یہ قوم تو پہلے ہی ایک جمعیت ہے اس جمعیت کے اندر کوئی الگ جمعیت الگ نام سے بنانا اور مسلمان

اور مسلمان کے درمیان کسی وردی یا کسی ظاہری علامت یا کسی خاص نام یا کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا اور مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر کے انکے اندر جماعتیں اور فرقوں کی عصبیتیں پیدا کرنا، دراصل مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں بلکہ ان کو اور کمزور کرنا ہے۔ یہ تنظیم نہیں تفرقہ پردازی اور گروہ بندی ہے۔ لوگوں نے آنکھیں بند کر کے جمعیت سازی کے یہ طریقے اہل مغرب سے لئے ہیں مگر ان کو معلوم نہیں کہ جو چیزیں دوسروں کے مزاج کو موافق آتی ہیں وہ مسلمانوں کے مزاج کو موافق نہیں آتیں۔

(پیغام حق - فروری ۱۹۳۸ء)

۶- مجالس قانون سازی میں پارٹیاں بنانا از روئے دستور ممنوع ہو جانا چاہئے

(دستوری تجاویز)

یہ کچھ فرمانے کے بعد کوہستان اگست ۱۹۶۲ء میں یہ خبر شائع ہوئی۔

قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں جماعت اسلامی سے متعلق افراد کو ہر اسمبلی میں پارلیمانی پارٹی قائم کرنے کی ہدایت کی جائے۔

راولپنڈی کے پریس کلب میں مودودی صاحب نے فرمایا:۔

جماعت اسلامی کسی بھی ایسی جماعت کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار ہے جو ملک کی خدمت کرنا چاہتی ہے جماعت کو دوسری سیاسی جماعتوں سے کوئی کد نہیں ہے۔ آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ پہلے ان جماعتوں کا وجود میں آنا ضروری ہے۔

(نوائے وقت ۲۸ اگست ۱۹۶۲ء)

۷- الیکشن

امیدواری کے سلسلے میں جماعت اسلامی کی اصول پرستی اور وقتی مصلحتوں کے متعلق ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے فرمایا۔

"ووٹ اور الیکشن کے بارے میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنیوالے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ہمارے ملک پر پڑتا ہو، بہرحال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔

(ترجمان القرآن ستمبر اکتوبر ۱۹۴۵ء)

۱۹۵۰-۵۱ء کے انتخابات کے موقعہ پر مولانا مودودی صاحب نے امیدواری کے متعلق تفصیلاً فرمایا:۔

"اب ہمیں اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ ہماری اجتماعی زندگی اور قومی سیاست کو جن چیزوں نے سب سے بڑھ کر گندہ کیا ہے ان میں ایک امیدواری اور پارٹی ٹکٹ کا طریقہ ہے اسی بنا پر جماعت اسلامی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ناپاک طریق انتخاب کی جڑ کاٹ دی جائے۔ جماعت اسلامی نہ اپنے پارٹی ٹکٹ پر آدمی کھڑے کرے گی نہ اپنے ارکان کو آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونے کی اجازت دیگی۔ نہ کسی ایسے شخص کی تائید کرے گی جو خود امیدوار ہو اور اپنے لئے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرے خواہ انفرادی طور پر یا کسی پارٹی ٹکٹ پر۔ یہی نہیں بلکہ جماعت اسلامی اپنی انتخابی جدوجہد میں خاص طور پر یہ بات عوام الناس کے ذہن نشین کرے گی کہ امیدوار بن کر کھڑا ہونا اور اپنے حق میں ووٹ مانگنا آدمی کے غیر صالح اور نااہل ہونے کی پہلی اور کھلی ہوئی علامت ہے۔ ایسا آدمی جب کبھی اور جہاں کہیں سامنے آئے لوگوں کو فوراً سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ ایک خطرناک شخص ہے اس کو ووٹ دینا اپنے حق میں کانٹے بونا ہے۔" (المنبر۔ لائلپور - ۷ ستمبر ۶۳ء)

ترجمان القرآن مئی ۵۸ء کی اشاعت میں مودودی صاحب نے فرمایا۔

(ہم نے پہلے فیصلہ کیا تھا کہ) امیدواری چونکہ اسلام میں ناجائز ہے اسلئے ہم نہ خود امیدوار بن کر کھڑے ہونگے اور نہ کسی امیدوار کو ووٹ دینگے۔ بعد میں تجربات سے ہم کو معلوم ہوا ہے کہ ہم ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ہر ضمنی اور عام انتخابات میں پورے ملک کی ہر نشست کے لئے معیار مطلوب کے مطابق موزوں امیدوار کھڑے کر سکیں۔ اس بنا پر ہم نے سابقہ پالیسی میں یہ تغیر کر دیا ہے کہ ہم خود تو امیدوار بن کر کھڑے ہونے سے بدستور مجتنب رہیں گے لیکن فاسد عناصر کے شر کو رفع کرنے اور ان کے مقابلے نسبتاً صالح اور اسلامی نظام کے حامی عناصر کو آگے بڑھانے کے لئے جن امیدواروں کی تائید ناگزیر محسوس ہوگی انہیں ووٹ دینگے اور دلوائینگے بھی۔

۸- ویٹو کا استعمال

جب امیر کو چن لیا جاتا ہے تو اس کو سیاہ و سفید کے اختیار ہونگے۔ امیر کو مشورہ کے ساتھ کام کرنا ہو گا عموماً مجلس کے فیصلے کثرت رائے سے ہونگے مگر اسلام تعداد کی کثرت کو حق کا معیار تسلیم نہیں۔ اسلام کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایک اکیلے شخص کی رائے پوری مجلس کے مقابلے میں برحق ہو اور اگر ایسا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ حق کو اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ اس کی تائید میں ایک جم غفیر نہیں ہے۔ لہٰذا امیر کو حق حاصل ہے کہ پوری مجلس سے اختلاف کرکے اپنی رائے پر فیصلہ کرے۔" (اسلام کا نظریہ سیاسی صفحہ ۵۵/۵۶)

ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں مودودی صاحب نے تحریر فرمایا۔

"امیر مملکت شوریٰ کی اکثریت کے مقابلہ میں ویٹو کا استعمال کر سکیگا۔"

لیکن جب ۱۹۶۲ء کے آئین میں صدر مملکت کے لئے ویٹو کی شق رکھی گئی تو مودودی صاحب نے ایک سوال کے جواب میں ترجمان القرآن ۱۹۶۳ء نومبر کی اشاعت میں لکھا۔

"کچھ عرصے سے اخبارات کے ذریعہ سے تجاویز پیش کی جارہی ہیں کہ صدر پاکستان کو خلیفۃ المسلمین اور یا امیر المؤمنین کے معزز خطاب سے آراستہ کیا جائے اس تصور میں جان ڈالنے کے لئے یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ صدر کو حق تنسیخ ملنا چاہیئے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جلیل القدر صحابہ کے مقابلے میں ویٹو سے کام لیا اور منکرین زکوٰۃ و مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لئے جہاد کا حکم دے کر صحابہؓ کی رائے کو رد کر دیا۔ گویا اس دلیل سے شرعی حیثیت کے ساتھ ویٹو جیسے دھاندلی آمیز قانون کو مستحکم فرمایا جا رہا ہے۔"

یعنی پہلے ویٹو عین مطابق اسلام تھا۔ پھر وہ "دھاندلی آمیز قانون" قرار پا گیا۔

۹۔ ذرائع پیداوار

"مسئلہ ملکیت زمین" نامی کتاب میں مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

"ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت بنانے کا تخیل بنیادی طور پر اسلام کے نقطۂ نظر کی ضد ہے۔ لہذا اگر ہمیں اسلامی اصول پر زمین کے بندوبست کی اصلاح کرنی ہو تو ایسی تمام تجویزوں کو پہلے قدم ہی پر لپیٹ کر رکھ دینا چاہیئے جنکی بنیاد میں قومی ملکیت کا نظریہ، اصول یا نصب العین کی حیثیت سے موجود ہو۔"

ذاتی ملکیت اور بے حد وحساب دولت جمع کرنے کے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

"جس طرح اسلام ہم سے یہ نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنا روپیہ اتنے مکان اتنا تجارتی کاروبار اتنے مویشی، اتنی موٹریں، اتنی کشتیاں اور اتنی فلاں چیز اور اتنی فلاں چیز رکھ سکتے ہو اسی طرح وہ ہم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنے ایکڑ زمین کے مالک ہو سکتے ہو۔ اسلام نے کسی نوع کی ملکیت پر بھی مقدار اور کمیت کے لحاظ سے کوئی حد نہیں لگائی۔ جائز ذرائع سے جائز چیزوں کی ملکیت جبکہ اس سے تعلق رکھنے والے شرعی حقوق و واجبات ادا کئے جاتے رہیں بلا حد ونہایت رکھی جا سکتی ہے۔ (مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۵۲-۷۲)

اس کی وضاحت مولانا موصوف نے یوں فرمائی:

"ایک شخص حلال ذرائع سے اپنی روزی کمانے میں پوری طرح آزاد ہے جس طرح چاہے کمائے۔ اس کی کمائی ہوئی دولت کا وہ جائز مالک ہے کوئی اس کی جائز ملکیت کو محدود کرنے یا اس سے چھین لینے کا حق نہیں رکھتا ..... ایک شخص حلال ذرائع سے کروڑپتی بن سکتا ہے تو اسلام اس کے راستے میں حائل نہیں۔"

۱۰۔ پاکستان کا جو مسلمان مودودی صاحب کی شریعت سے متفق نہیں ہوگا وہ مرتد سمجھا جائے گا۔ اور اس کی سزا موت ہوگی

فرماتے ہیں "جس علاقے میں اسلامی انقلاب رونما ہو وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دیدیا جائے کہ جو لوگ اسلام سے اعتقاداً منحرف ہو چکے ہیں اور منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اعلان کر کے ہمارے نظامِ اجتماعی سے باہر نکل جائیں۔ اس مدت کے بعد ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوتے ہیں مسلمان سمجھا جائے گا۔ تمام قوانین اسلامی ان پر نافذ کئے جائیں گے۔ فرائض و واجبات دینی کے التزام پر انہیں مجبور کیا جائے گا۔ پھر جو کوئی دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔"

۱۱۔ صالحین پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ تشدد کے ذریعہ بزورِ شمشیر حکومت پر قبضہ کر لیں۔

اس سلسلہ میں مودودی صاحب فرماتے ہیں:

"اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو لہٰذا آگے بڑھو اور لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔"

(خطبات ص ۲۳۵)

سوچئے کہ مودودی صاحب جو کچھ پہلے فرماتے رہے ہیں اور جو کچھ آج فرما رہے ہیں ان میں سے کون سا اسلام ہوگا جسے وہ پاکستان میں نافذ کریں گے؟

(۵)

اب آگے بڑھیے اور سوشلزم کی طرف آئیے۔

سوشلزم

قرآن کریم پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ انسان نے جب اس کرۂ ارض پر آنکھ کھولی، تو اس وقت اس میں نہ کسی کو بھوک کا خوف ستاتا تھا نہ پیاس کا، نہ کسی کو لباس کے لئے پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا نہ مکان کے لئے۔ زمین اس وقت بھی رزق کا بنیادی سرچشمہ تھی اور آج بھی ہے۔ کچھ عرصہ بعد لوگوں کے ذہن میں انفرادی مفاد پرستانہ تصور نے انگڑائی لی۔ اس تصور نے آگے بڑھ کر سرمایہ داری کی شکل اختیار کر لی۔ سرمایہ داری نے دو قدم آگے بڑھ کر ملوکیت کی بنیاد ڈالی اور اس طرح انسان کی مفاد پرستی نے اس سے وہ آرام و سکون کی زندگی چھین لی جو اسے پہلے حاصل تھی۔

خدا نے انسانوں کی راہ نمائی کے لئے انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا۔ یہ انبیاء کرامؑ آتے اور نوعِ انسانی کو انسانوں کے خودساختہ قوانین کی زنجیروں سے آزاد کرا کر خدا کی حکومت قائم کر دیتے۔۔۔ نوعِ انسانی پھر سکون اور مسرت کی زندگی گذارنے لگ جاتی۔ جب کوئی پیغمبر پیغام پہنچا کر چلا جاتا تو اس کے متبعین اس کی کتاب میں بگاڑ پیدا کر دیتے، کہیں اس میں اپنی طرف سے ردّ و بدل کر دیتے، کہیں اس میں سے کچھ حذف کر دیتے، کہیں اضافہ کر دیتے۔ اس طرح رفتہ رفتہ خدا کی وہ کتاب انسانی آمیزشوں کا مجموعہ بن کر رہ جاتی۔ یہیں سے پیشوائیت کی بنیاد پڑی۔ انبیاء کرامؑ کے قائم کردہ نظامِ حیات کا مقابلہ سرمایہ داری اور ملوکیت کے بس کا نہ تھا۔ اس وقت کے پیشِ نظر سرمایہ داری اور ملوکیت نے پیشوائیت سے گٹھ جوڑ کیا۔ پیشوائیت نے کیا یہ کہ سرمایہ داری اور ملوکیت کے قیام و استحکام کے لئے خود کچھ باتیں وضع کیں اور انہیں خدا اور اس کے رسول کے نام پر منسوب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا اور اس طرح آہستہ آہستہ لوگوں کا رُخ دوسری جانب پھیر دیا اور دنیا کی نعمتوں کو ان تینوں نے آپس میں بانٹ لیا۔

ایک عرصہ دراز تک نوعِ انسانی، ملوکیت، سرمایہ داری اور پیشوائیت کی ساختہ چکی میں پستی رہی اور اس جال میں جکڑی رہی۔ آخر عصرِ حاضر کے انسانوں نے ان کے خلاف احتجاج بلند کیا۔ جب اس احتجاج نے طوفان کی شکل اختیار کی اور انہیں اپنا اقتدار چھنتا نظر آیا تو کافی سوچ بچار کے بعد انہوں نے ایک اسپرٹ تیار کی جس کا نام "جمہوریت" (ڈیموکریسی) رکھا گیا۔ ملوکیت اور مغربی جمہوریت میں فرق صرف اصطلاح کا ہے۔ روح دونوں کی ایک ہے۔ یعنی انفرادی ملکیت کا تصور دونوں جگہ موجود ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے جو فیصلہ ایک فرد کیا کرتا تھا اور اسے بادشاہ کا حکم کہا جاتا تھا اب وہ فیصلے مفاد پرستوں کا ایک گروہ کرتا ہے جو مختلف سیاسی حربوں اور دولت کے زور سے یہ پوزیشن حاصل کر لیتا ہے اور ان کے فیصلوں کو مملکت کا قانون اور ان کے مفاد کو مفادِ عامہ جیسی فریب آفریں اصطلاحات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

زمانے کے تقاضے اس تغیر لفظی سے مطمئن نہ ہو سکے۔ وہ ذاتی ملکیت کے تصور کو جڑ اور بنیاد سے اکھیڑ پھینکنا چاہتے تھے۔ اس کا نتیجہ اشتراک (کمیونزم) کی صورت میں ہمارے سامنے آیا۔ اس نقطۂ خیال سے دیکھئے (یعنی انفرادی ملکیت کے تصور کو ختم کر دینے کے نقطۂ خیال سے) تو سوشلزم نے وہی کچھ کرنے کا دعویٰ کیا ہے جو کچھ کرنے کا "دینِ اسلام" نے کیا تھا۔ لیکن ان دونوں میں ایک بنیادی فرق ہے۔ اشتراکیت انفرادی ملکیت کے تصور کو بزور مٹانا چاہتی ہے لیکن دینِ اسلام اپنی ہمہ گیر تعلیم اور بلند فلسفۂ حیات کی بنا پر انسانی قلوب میں اس قسم کی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے کہ ملکیت کے اس تصور کو مٹانا اس کے لئے اس طرح تقاضائے حیات بن جاتا ہے جس طرح طبیعی زندگی کے لئے سانس لینا اقتضائے حیات ہے۔

بہرحال سرمایہ داری، ملوکیت اور پیشوائیت کے تصور کو مٹانا اشتراکیت اور اسلام دونوں میں قدر مشترک ہے۔ اگرچہ ایسا کرنے کے لئے دونوں کی بنیادیں مختلف ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ اگر مسلمانوں کے سامنے دینِ اسلام اپنی حقیقی شکل میں ہوتا تو وہ عصرِ حاضر کے اس تقاضے کو اپنے حق میں فالِ نیک سمجھتے کیونکہ اس سے فضا اس نظام کو دوبارہ متشکل کرنے کے لئے سازگار ہو جاتی جس کا قیام دینِ اسلام کا مقصود تھا۔ لیکن ان کی بدنصیبی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھنے کے بجائے اس تصور کو خلافِ اسلام قرار دے کر سب سے بڑھ چڑھ کر مخالفت شروع کر دی۔ سرمایہ دار ملکوں کے لئے ان کا یہ ردِعمل بڑا مفید تھا اس لئے انہوں نے پیشوائیت کی کمر ٹھونک دی۔ اب صورت یہ ہے کہ ہمارا مذہبی پیشوائیت کا طبقہ جسے سرمایہ دار دودھ پلا کر پال رہا ہے اس مخالفت کو "جہاد" قرار دے رہا ہے۔ پاکستان میں اس "جہاد" کی سب سے بڑی علمبردار جماعتِ اسلامی ہے۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں: "اگر زمین کو انفرادی ملکیت سے نکال کر اُمت کی مشترکہ تحویل میں دے دیا جائے تو اس سے ایسا نظام وجود میں آ جاتا ہے جس سے زیادہ انسانیت کُش نظام شیطان وضع نہیں کر سکتا۔"

کوئی ان سے پوچھے کہ جب حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینوں کے متعلق فیصلہ کیا تھا کہ انہیں انفرادی ملکیت میں دینے کے بجائے حکومت کی تحویل میں رکھا جائے۔ (تو اس فیصلے کے متعلق ان کا اسلام کیا کہتا ہے)

(۰)

سوشلزم - اور اسلامی سوشلزم

جس طرح آج ہر شخص اس کا مدعی ہے کہ یہاں اسلامی نظام رائج ہونا چاہیئے لیکن اس نظام کا متعین نقشہ کوئی پیش نہیں کرتا، اسی طرح سوشلزم کی اصطلاح کا مفہوم بھی ابھی تک ہمارے ملک میں متعین نہیں ہو سکا۔

چونکہ سوشلزم کی نسبت عام طور پر روس اور چین کی طرف کی جاتی ہے اس لئے اس اصطلاح سے ذہن اسی طرف جاتا ہے یعنی سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ لوگ روس یا چین کا سوشلزم رائج کرنا چاہتے ہیں۔

روس اور اب چین میں سوشلزم کا مفہوم صرف معاشی نظام نہیں، سوشلزم اور اس سے آگے کمیونزم سے مراد ہے ایک فلسفہ حیات اور اس پر قائم معاشی نظام چین میں ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ چین کی روس سے لڑائی ہی اس بات پر ہے کہ روس نے سوشلزم کے "فلسفہ حیات" میں تحریف کر دی ہے اس لئے وہ اسے بدعتی قرار دیتا ہے۔

سوشلزم کا معاشی نظام تو قرآن کے معاشی نظام کے مماثل ہے لیکن سوشلزم کا فلسفہ حیات قرآنی فلسفہ حیات سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ اس کی ضد ہے۔

ہمارے ہاں سوشلزم کے مدعی ان دونوں بنیادی چیزوں (یعنی سوشلزم کے فلسفہ حیات اور اس کے معاشی نظام) میں تفریق نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ نظام سرمایہ داری کے حامی ہیں وہ سوشلزم کے خدا فراموش فلسفہ حیات کو ابھار کر سامنے لے آتے ہیں اور پھر مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا تمہارے نزدیک اس قسم کا نظام جس میں نہ خدا کو مانا جاتا ہے نہ رسول کو۔ نہ آخرت پر ایمان ہوتا ہے نہ وحی پر کس طرح قابل قبول ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس قسم کا نظام کسی بھی مسلمان کے نزدیک قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس طرح وہ اپنے پروپیگنڈے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

غالباً یہی وہ مشکل تھی جس کو حل کرنے کیلئے "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح وضع کرنی پڑی لیکن چونکہ یہاں ابھی یہی طے نہیں کہ "اسلام کسے کہتے ہیں" اس لئے اسلامی سوشلزم کی اصطلاح دوگونہ ابہامات کا مجموعہ بن کر رہ گئی اور اس سے فائدہ اٹھا کر پیشوائیت اور سرمایہ داری کے حامیوں نے سر جوڑ کر اس پر اعتراضات کی بارش کر دی۔

جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں سوشلزم سے مراد ہے (مارکس کا فلسفہ حیات + روس یا چین کا معاشی نظام) ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ اسلامی پیوند لگ ہی نہیں سکتا۔

اگر سوشلزم سے اس کا فلسفہ زندگی نکال دیا جائے تو وہ سوشلزم نہیں رہتی بلکہ ایک "سوشل آرڈر" رہ جاتا ہے۔

اگر "اسلامی سوشلزم" سے مراد ہے (اسلام کا فلسفہ حیات + کم و بیش اس قسم کا معاشی نظام جو روس یا چین میں رائج ہے) تو اسے آپ "اسلام کا سوشل سسٹم" کہہ سکتے ہیں۔ اسلامی سوشلزم نہیں کہہ سکتے۔

گو بادی النظر میں ان ہر دو اصطلاحات میں یونہی لفظی فرق نظر آئیگا لیکن ذرا گہرائی میں جا کر دیکھیں تو یہی لفظی سا تغیر ان دونوں کے مفہوم کو الگ کر دیگا۔ سوشلزم میں (ISM) کا تعلق فلسفہ حیات سے ہے لیکن "سوشل" میں فلسفہ حیات کا تصور شامل نہیں ہوتا صرف سوشل نظام مقصود ہوتا ہے۔

لہٰذا اسے قرآن کا سوشل سسٹم کہا جا سکتا ہے اور اس طرح اس پر وہ اعتراضات وارد نہیں ہو سکیں گے جو اسلامی سوشلزم کی اصطلاح پر نیک نیتی یا پھر پروپیگنڈہ کی غرض سے عاید کئے جاتے ہیں۔

سوشلزم کے خلاف یہ اعتراض بھی وزنی ہے کہ یہ ڈکٹیٹرشپ کے ذریعہ ہی قائم ہو سکتی ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کی بنیاد (PROLETARIAL IN DICTATORSHIP) ہے قرآن کے سوشل سسٹم پر یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اسکا معاشی نظام کوئی الگ شے نہیں۔ قرآن ایک نظامِ کلی دیتا ہے جو زندگی کے ہر گوشے کو محیط ہوتا ہے۔ سیاسی، معاشی، معاشرتی نظام سب اس کلی نظام کے مختلف پہلو ہیں۔ چونکہ قرآنی نظام میں ڈکٹیٹرشپ نہیں اس کا نظام مشاورتی ہے جس میں ساری امت شریک ہوتی ہے اسلئے قرآنک سوشل سسٹم پر یہ اعتراض بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے لئے ڈکٹیٹرشپ لازمی ہے۔

اسلام کا یہی سوشل سسٹم تھا جسکی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ "دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر گیا تو خدا کی قسم عمرؓ سے اسکی بھی باز پرس ہوگی"۔ اور اسی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے آپ نے فرمایا تھا کہ عراق کی مفتوحہ زمینیں افراد میں تقسیم کرنے کے بجائے امت کی مشترک تحویل میں رہیں گی۔ حضور نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ

جس بستی میں کسی ایک فرد نے بھی اس حالت میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی سے اللہ کی حفاظت و نگرانی کا ذمہ ختم ہوا۔"

ہم اس وقت تاریخ کے ایک بڑے نازک دور سے گذر رہے ہیں۔ قرنہا قرن کے سرمایہ داروں کے ستبدانہ نظام اور مذہبی پیشوائیت کی خون آشامیوں نے نوعِ انسانی کا جو خون پیا ہے وہ خون اب رنگ لا رہا ہے۔ خدا خدا کر کے یہ کیفیت پیدا ہوئی ہے کہ

"زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے!"

سرمایہ داری نظام کی قوتوں نے ہمیشہ (باطل) مذہب کو اپنا آلۂ کار بنایا ہے وہ آج بھی یہی کچھ کر رہی ہے اسلئے ان کی طرف سے (BELIEVERS IN GOD UNITE TOGETHER) کا فریب انگیز نعرہ بلند کیا جا رہا ہے یعنی فلسطین کے میدانوں میں اور سینا کے صحراؤں میں تو ان "خدا پرستوں" کی آدھی سے زیادہ دنیا خدا پرستوں ہی کو تباہ و برباد کرنے کے لئے آگ و خون کی وحشتناک ہولی کھیلتی ہے لیکن وہی خدا پرست اشتراکیت کے مقابلہ کے لئے اپنی خدا پرستوں کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہیں۔ اگر ہم اس وقت (خدا پرستوں) کے اس پُر فریب نعرہ سے متاثر ہو گئے تو نہ معلوم تاریخ پھر اس قسم کا موڑ کب اختیار کرے۔

نظامِ سرمایہ داری کے حامیوں اور مذہبی پیشوائیت کے ٹھیکیداروں سے تو کچھ کہنا بیکار ہے البتہ جو حضرات اپنے سینے میں "اسلام" اور "سوشلزم" کا درد رکھتے ہیں ان سے ہماری استدعا ہے کہ وہ اپنے مؤقف کی وضاحت صاف صاف کریں تاکہ معترضین کے لئے غلط پروپیگنڈہ کی گنجائش نہ رہے۔

———(٠)———

"دینِ اسلام"

مذہب اور دین میں فرق

مذہب (RELIGION) یا دھرم سے مفہوم ہے خدا اور بندے کے درمیان تعلق۔ یہ تعلق ایک پرائیویٹ عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کا انسان کی خارجی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس خارجی زندگی کے لئے ایک اور نظام کی ضرورت ہوتی ہے جسے دولتی نظام (STATE) یا حکومت کہا جاتا ہے۔ مذہب میں خدا کی حیثیت محض ایک پرستش کی شے ہوتی ہے اور بندے اور خدا کا تعلق پرستار اور پرستیدہ کا تعلق ہوتا ہے۔ معاملات انسانوں کے اپنے وضع کردہ قوانین کی رُو سے طے ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام ایک مذہب نہیں دین ہے۔ مذہب کا لفظ تک قرآن کریم میں نہیں آیا۔ دین انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے۔ انسانی زندگی کے مختلف گوشوں پر غور کیجئے اور پھر دیکھئے کہ قرآن کریم نے اسکے نظامِ زندگی کے لئے جو لفظ دین استعمال کیا ہے وہ کس قدر جامع اور بلیغ ہے۔

انسان تمام مخلوقات سے زیادہ نہتا پیدا کیا گیا ہے اسلئے وہ اپنی حفاظت کے لئے اجتماعی زندگی کا محتاج ہے یہ اجتماعی زندگی قواعد وضوابط کی محتاج ہے اسلئے کہ جب انسان اجتماعی زندگی بسر کریگا تو اسکے افکار و اعمال اور حرکات و سکنات کا اثر اسکی ذات تک ہی محدود نہیں رہے گا بلکہ دوسروں تک متعدی ہوگا۔ لہذا یہ ناممکن ہے کہ انسانی ہئیتِ اجتماعیہ بلا ضابطہ و قانون اور بغیر آئین و دستور قائم رہ سکے۔ مملکت کے مختلف معیار اور اس کے نظام کی مختلف صورتیں وضع اور اختیار کی ہیں۔ ابتدائی زمانہ کے انسان کی قبائلی زندگی اور شخصی حکومت سے لیکر دورِ حاضرہ کی وطنیت اور جمہوریت، آمریت، اشتراکیت، فسطائیت وغیرہ سب مملکت کی مختلف شکلیں ہیں اور اس کے نظام کی متنوع صورتیں ہیں۔ یہ شکلیں بے شک مختلف ہیں لیکن بغور دیکھا جائے تو یہ اختلاف و تباین محض قالب و ہیکل کا اختلاف ہے۔ اور روح اور حقیقت ہر جگہ اور ہر زمانہ میں ایک ہی رہی ہے یعنی انسانوں کی وجہ جامعیت (تشکیلِ مملکت) کا معیار نسل اور زبان، رنگ اور وطن کا اشتراک اور انکے نظامِ حکومت کی بنیاد اس مفروضہ پر کہ بعض انسانوں کو دوسرے انسانوں کے لئے قانون سازی کا حق حاصل ہے۔

قرآنِ کریم نے اس حقیقتِ کبریٰ کا اعلان کیا کہ یہ وجہِ جامعیت اور یہ معیار و اقتدار سب غیر فطری ہیں۔ اور اس لئے باطل۔ مملکت کی تشکیل ایمان یعنی آئیڈیالوجی کی وحدت پر ہونی چاہیئے اور دنیا کے تمام انسان جو ایک نظریۂ حیات اور ایک تصورِ زندگی رکھتے ہیں ایک قوم کے افراد اور ایک مملکت کے ارکان ہیں، اور اس نظریۂ حیات اور تصورِ مملکت کی بنیاد جس آفاقی اصول پر ہے کہ قانون سازی کا حق کسی انسان کو نہیں۔ انسانوں کے لئے اصولی قوانین اور اساسی آئین صرف ذاتِ خداوندی متعین کر سکتی ہے اسلئے اس نظامِ مملکت میں حاکمیت کا اقتدارِ اعلےٰ

صرف خدا کو حاصل ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ اس کی کتاب — قرآن عظیم ہے۔

مادئیین کے نقطۂ نگاہ سے انسان حیوان کی ہی ارتقاء یافتہ شکل کا نام ہے اسلئے انسانی خصائص حیوانی جبلت کی ہی لطیف صورت ہے اور بس۔ لہٰذا دوسرے حیوانات کیطرح اس کی زندگی کا مقصد بھی جسم کی پرورش اور افزائش نسل ہے اس کے علاوہ زندگی کا نہ کوئی نصب العین ہے نہ مستقبل۔

دینِ اسلام کی رُو سے کفر اور ایمان کی تمیز زندگی کے دو حصوں کی تمیز ہے اور یہی وہ عظیم فرق ہے جس کی وجہ سے اسلام کا فلسفۂ حیات دنیا کے تمام فلسفہ ہائے حیات سے ممتاز اور انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ انسان کی زندگی کا ایک حصہ تو حیوانات کیطرح قوانین طبعی کیمطابق زندگی بسر کرتا ہے لیکن اس کی زندگی کا دوسرا اور بلند حصہ صفاتِ خداوندی کا مظہر ہے اسکے اس حصہ زندگی کی خصوصیات صرف انسان کیلئے مختص ہیں یا حیوان اس میں قطعاً شریک نہیں۔ ایمان باللہ کا عملی مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے اس حصہ کو بھی تسلیم کرے کیونکہ زندگی زندہ رہنے یا جان کی سلامتی کا نام نہیں۔ زندگی درحقیقت مستقل اقدار کی حفاظت کا نام۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ انسان صرف جسم تک ہی محدود نہیں جسم کے علاوہ اس میں ایک اور شے بھی ہے جسے نفس یا ذات یا انا یا خودی کہتے ہیں۔ انسان کا جسم موت کیساتھ ختم ہو جاتا ہے لیکن ذاتِ انسانی اس کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ دنیا میں طبعی قوانین کے علاوہ کچھ اور اصول بھی ہیں جنہیں مستقل اقدار کہا جاتا ہے۔ یہ اقدار غیر متبدل ہوتی ہیں اور عقل کے فیصلوں کے ساتھ بدلتی نہیں رہتیں جس طرح انسانی جسم کی پرورش اور نشو و نما ضروری ہے اسی طرح نفسِ انسانی یا ذات کی نشو و ارتقاء ضروری ہے۔ انسانی جسم کی پرورش عقلِ انسانی کے سطحی تقاضوں کے ماتحت ہوتی ہے (یعنی کچھ لینے سے) لیکن ذاتِ انسانی پرورش مستقل اقدار کے ماتحت ہوتی ہے۔ (یعنی کچھ دینے سے)

دنیا کے تمام فسادات کی جڑ "لینے" کا جذبہ ہے۔ یہ بھی میں لے لوں، وہ بھی میرا ہو جائے، یہ کچھ بھی میرے پاس آ جائے وہ بھی میری ملکیت ہو جائے ہر چیز پر میں قبضہ کر لوں۔ اس کے برعکس "دینے" کے جذبہ سے تمام فتنہ سامانیاں خیر سگالی میں بدل جاتی ہیں۔ اگر ایسا معاشرہ وجود میں آجائے جس میں ہر فرد دینے کے جذبہ کو اپنا ایمان (یعنی زندگی کا نصب العین) بنا لے تو اس معاشرے میں کس قدر سکون اور سلامتی و عافیت ہوگی۔ اس میں زندگی کس قدر میٹھے پھلے پھولے گی۔ یہی وہ اچھوتا جذبۂ محرکہ ہے جس میں انسان جو کچھ حاصل کرتا ہے اسے دل کی پوری رضامندی کیساتھ نوعِ انسانی کی نشو و نما کے لئے کھلا رکھتا ہے کیونکہ اس کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ اس طرح اسکی ذات کی نشو و نما ہوگی اور جسم کی نشو و نما اس وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی جب اسکی ذات کی نشو و نما نہ ہو جائے۔ دنیا کے کسی فلسفۂ حیات میں "دینے" کا یہ نصب العین اور جذبۂ محرکہ نہیں ملتا اور دینِ اسلام کی اساس اسی نظریۂ حیات پر ہے۔

اس وقت دنیا میں دو ہی فلسفۂ حیات ہیں۔ ایک وہ جو انسانوں نے انسانوں کے لئے خود وضع کیا جس میں

مذہبی پیشوائیت کا خودساختہ فلسفۂ حیات بھی برابر کا شریک ہے۔

دوسرا وہ فلسفۂ حیات جو خدا نے انسانوں کو دیا۔ آئیے نتائج کے لحاظ سے ان کا تقابل کر کے دیکھیں اور پھر فیصلہ کریں کہ ان میں سے کون سا فلسفۂ حیات انسان کو انسانیت کی معراج تک پہنچانے کا ضامن بن سکتا ہے۔

(۱) انسانوں کے خودساختہ نظام میں ہمیشہ ایک طبقہ ایسا رہتا ہے جو خود کبھی کچھ نہیں کرتا اور دوسرے انسان ان کا تمام بوجھ اٹھاتے ہیں پھر لطف یہ کہ بجائے اسکے کہ بھکاریوں کا یہ طبقہ اپنے آپ کو حقیر و ذلیل سمجھے یہ معاشرہ میں سب سے اونچے مقام پر متمکن ہوتا ہے۔ ان میں کچھ اقتدار کی کرسیاں سنبھال لیتے ہیں اور دوسرے لوگ مذہبی پیشوائیت کی مسندوں پر براجمان ہو جاتے ہیں۔ (لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ - ۹/۳۴) تاکہ عوام کی محنت کی کمائی کھاتے رہیں اور تخریبی نتائج پیدا کرتے رہیں۔

دین اسلام میں اس قسم کے کسی طبقے کا وجود نہیں رہیگا اس میں کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگا۔ (لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ - ۳۵/۱۸) ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوگا۔

(۲) انسانوں کے خودساختہ فلسفۂ زندگی میں ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جو صرف روپیہ لگاتا ہے (INVEST) کرتا ہے۔ (اور خود کوئی کام نہیں کرتا دوسرے لوگ کام کرتے ہیں اور ان کی محنت کا بہترین حصہ انکے گھر آجاتا ہے۔

قرآنی معاشرہ میں (بجز ان لوگوں کے جو کسی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہو چکے ہیں) ہر شخص کو کام کرنا ہوگا جو شخص بلا عذر کام نہیں کریگا اسکا معاشرہ کے ثمرہ میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ (لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۵۳/۳۹) وہاں کا اصل الاصول ہوگا۔ یعنی بلا سعی و عمل کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔

(۳) انسانوں کے خودساختہ قوانین کی رُو سے جو شخص اپنی "ہنرمندیوں" سے جو کچھ سمیٹ لے سب کچھ اسی کی ملکیت ہو جاتا ہے کسی کو حق نہیں ہوتا کہ اسکی ملکیت میں دخل انداز ہو سکے۔ اس طرح ایک شخص کے گھر میں چاندی اور سونے کے ڈھیر جمع ہو جاتے ہیں اور ہزاروں انسان نانِ شبینہ تک کے لئے محتاج رہ جاتے ہیں۔

قرآنی معاشرہ میں ہر شخص پوری پوری محنت کرتا ہے لیکن اسکے ماحصل میں سے صرف اتنا لیتا ہے جتنا اسکی ضروریات کے لئے کافی ہو۔ باقی سب نوعِ انسانی کی نشوونما کیلئے کھلا رکھتا ہے (يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ ۔ ۲/۲۱۹) تجھ سے پوچھتے ہیں کہ (اپنی محنت کی کمائی میں سے) کس حد تک نوعِ انسانی کی ربوبیت کیلئے کھلا رکھیں۔ ان سے کہدو جس قدر تمہاری ضروریات سے زیادہ ہو گا سب کا سب"۔ اس نظام میں دولت جمع کرنا ایک سنگین جرم ہوگا جس کی سزا بڑی عقوبت انگیز ہوگی۔ (۹/۳۴)

(۴) انسانوں کے خودساختہ قانون میں بعض لوگ رزق کے سرچشموں پر لکیریں کھینچکر انہیں اپنی ملکیت میں لے لیتے ہیں اور اس طرح عوام کے ذریعۂ پرورش پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔

قرآنی معاشرہ میں رزق کے سرچشمے کسی کی انفرادی ملکیت نہیں رہتے۔ یہ سب ضرورتمندوں کے لئے یکساں طور پر کھلے رہتے ہیں۔ (سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ۔ ۴۱/۱۰)

(۵) انسانوں کے خودساختہ قوانین میں "حکومت" کا فریضہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے اپنے واجبات وصول کرے۔ کسی کا ذمہ نہیں ہوتا کہ دیکھے کہ افرادِ معاشرہ کو انکی زندگی کی ضروریات بہم پہنچ رہی ہیں یا نہیں۔

قرآنی معاشرہ میں ہر چلنے والے کیلئے سامانِ پرورش بہم پہنچانے کی ذمہ داری خود اس معاشرہ پر ہوتی ہے (وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (۱۱/۶) صرف انکی ضروریات کا ذمہ نہیں بلکہ انکی اولاد کا بھی۔ (نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ۔ (۶/۱۵۱)۔ اور صرف رزق ہی کی ذمہ داری نہیں بلکہ تمام بنیادی ضروریاتِ زندگی کی۔ (إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ۔ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ۔ (۲۰/۱۱۸-۱۱۹) اس میں نہ کوئی بھوکا ہوگا نہ ننگا۔ نہ پیاسا ہوگا نہ بغیر مکان کے۔

(۶) انسانوں کے خودساختہ نظام میں اگر کوئی ذمہ داری لیتا بھی ہے تو صرف طبعی ضروریاتِ زندگی کی جیسے سوشلزم یا کمیونزم۔ کیونکہ انکے نزدیک زندگی صرف جسمانی زندگی ہے۔ قرآنی معاشرہ میں انسان کی طبعی ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ تمام افرادِ معاشرہ کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ اس نظام کا فریضہ یہ ہے کہ تمام انسانی صلاحیتوں کی بالیدگی کا سامان بہم پہنچائے۔ (۲/۱۵۱) یہ نشوونما اور بالیدگی انسانی ذات (HUMAN-PERSONALITY) کی ہوگی۔ اس نظام میں معاشرہ فرد کی ذات کی تکمیل کے لئے ہوتا ہے۔ فرد معاشرہ کی قربان گاہ پر ذبح ہونے کے لئے نہیں ہوتا۔ چونکہ انسانی ذات نشوونما پاکر طبعی موت کے بعد زندگی کے مزید مراحل طے کرتی ہے۔ اسلئے اس نظام میں اس دنیاوی زندگی کی خوشگواریوں کے ساتھ مستقبل کی زندگی کی شادابیاں بھی حاصل ہوتی جاتی ہیں۔ (فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً۔ (۲/۲۰۱)

(۷) انسانوں کے خودساختہ نظام میں نوعِ انسانی کو مختلف گروہوں (قوموں) اور مذہبی فرقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ہر گروہ قوم اور فرقہ اپنی منفعت اور دوسروں کی تخریب کے در پے رہتی ہے۔

قرآنی نظام میں انسانوں کی خودساختہ تمام حدود و قیود مٹ جاتی ہیں اور پوری نوعِ انسانی ایک عالمگیر برادری بن جاتی ہے۔ اس نظام کے پیشِ نظر پوری انسانیت کی منفعت ہوتی ہے کیونکہ اس کا بنیادی اصول یہ ہے (وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ۔ (۱۳/۱۷) یہی تصورِ حیات اور وہی نظامِ زندگی باقی رہ سکتا ہے جو تمام نوعِ انسانی کے لئے منفعت بخش ہو۔

(۸) انسانوں کے خودساختہ نظام میں عزت و تکریم کے معیار اضافی ہوتے ہیں جو بڑے گھرانے میں پیدا ہو جسکے پاس بہت سا مال و دولت ہو۔ جو کبھی نہ کسی طرح قوت فراہم کرلے وہی واجب التکریم سمجھا جاتا ہے باقی انسان انکی نگاہوں میں ذلیل و حقیر ہوتے ہیں۔

قرآنی نظام میں ہر انسان صرف انسان ہونے کی جہت سے قابلِ عزت و تکریم ہوتا ہے (وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (۱۷/۷۰) ہم نے ہر فرزندِ آدم کو واجب التکریم بنایا ہے۔ عزت و تکریم کے مدارج کا فرق بھی اس معیار کے مطابق ہے کہ جو شخص اپنی ذمہ داریوں کو سب سے

زیادہ پورا کرتا ہے وہ سب سے زیادہ عزت کا مستحق ہے۔ (اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔ (۴۹/۱۳))

(۹) اور سب سے آخر یہ کہ انسانی ذہن نے جو نظام بھی آج تک قائم کیا اس میں ہمیشہ یہ حالت رہی کہ ایک گروہ نے قانون بنانے کا کام اپنے ہاتھ میں رکھا اور دوسرا گروہ ان کے بنائے ہوئے قوانین کی اطاعت پر مجبور کر دیا گیا۔ قانون بنانے والی قوت خواہ عصرِ قدیم کی شہنشاہیت ہو یا عصرِ حاضر کی جمہوریت، ہر جگہ اصول یہی کارفرما ہے کہ ایک گروہ پر دوسرے گروہ کے احکام و قوانین کی اطاعت لازم آتی ہے جو حکومت کسی بھی انداز کی ہو اس میں حاکم اور محکوم کی تمیز ضروری ہوتی ہے۔

قرآنی نظامِ حیات میں انسانوں کی حکومت کا تصور ہی باقی نہیں رہتا اس لئے کہ اس میں وہ اصولی قوانین جن کے تابع زندگی بسر کرنا تمام انسانوں کے لئے ضروری ہوتا ہے خود خدا کے متعین کردہ ہوتے ہیں اور کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے انسان سے اپنا حکم منوائے (۳/۷۸)۔ اس نظام میں جو گروہ ان اصولی قوانین کی جزئیات (قوم کے مشورے) سے مرتب کریگا اور انہیں نافذ کریگا وہ سب سے پہلے خود ان احکامات کی اطاعت کریگا اور کہے گا کہ (اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ ۶/۱۶۳)۔

یہ ہے دینِ اسلام اور اس کے عطا فرمودہ فلسفۂ حیات کا مختصر سا خاکہ۔

اگر آپ اس سے متفق ہیں اور آپ کا ایمان ہے کہ دنیا کی مشکلات اور مصیبتوں کا حل صرف خدا ہی کے عطا فرمودہ نظام میں ہے تو آپ کے کرنے کا کام یہ ہے کہ اللہ کی اس کتاب (قرآن) کو جو صدیوں سے ایک خاص سازش کے ماتحت مقدس غلافوں میں لپیٹ کر رکھوا دی گئی ہے اسے مملکتِ پاکستان کا بنیادی ضابطہ قرار دیجئے اور یوں دنیا کے سامنے اس حقیقت کو واشگاف کر دیجئے کہ دینِ اسلام آج بھی انسانیت کے مصائب کا حل اسی طرح اپنے اندر رکھتا ہے جس طرح اس نے آج سے چودہ سو سال پہلے کر کے دکھایا تھا۔

اس وقت دنیا اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے جہنم میں اس بُری طرح سے ماخوذ ہے کہ اُسے اس سے نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس نے اپنے خود ساختہ نظامہائے حیات کو ایک ایک کر کے آزما لیا ہے اور ہر تجربے کے بعد وہ بے ساختہ پکار اٹھتی ہے کہ "تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی"۔

یہی نہیں بلکہ ہر نیا تجربہ اسے نئی قسم کی مشکلات میں الجھا دیتا ہے۔ اس وقت پوری دنیا پر عجب انداز کی مایوسی چھائی ہوئی ہے وہ ہر دُور سے اُٹھنے والی گرد کو بڑی حسرت سے دیکھتی ہے کہ شاید اسی میں وہ شاہسوار چھپا ہو جو اسکے مصائب و مشکلات کا خاتمہ کر دے لیکن اس کے بعد پھر مایوس ہو کر بیٹھ جاتی ہے کہ اسے اس گرد میں رہنما کی جگہ راہزن دکھائی دیتے ہیں۔ ان حالات میں اگر کسی خطۂ زمین کے مسلمانوں نے خدا کے اس "نظامِ قرآنی" کو جس کی شکل مذہبی پیشوائیت نے یکسر مسخ کر دی ہے، عملی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا تو وہ یقین جانیں کہ ساری دنیا کی امامت انہی کے حصے میں آئے گی۔

خدا کرے کہ یہ سعادت پاکستان ہی کے حصے میں آئے لیکن یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ یہاں مذہب کے اجارہ داروں کا اقتدار باقی نہ رہے۔ اقتدار صرف خدا کی کتاب کا رہ جائے ✤

———— (...) ————

مشرقی پاکستان میں قندیلِ قرآنی کی کرنیں

[مشرقی پاکستان میں قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کی اہمیت شروع ہی سے ہمارے پیش نظر رہی ہے۔ لیکن وہاں کی زبان کا مسئلہ اور ہمارے محدود وسائل اس مقصد کے حصول کی راہ میں حائل رہے۔ بایں ہمہ مقام تشکر ہے، کہ سال گزشتہ، ہمارے جواں ہمت، جواں سال، قرآنی رفیق، محترم محمد اکرم راٹھور صاحب نے ڈھاکہ میں بزم طلوع اسلام کی بنیاد رکھ دی اور ایک ہی سال میں شمع قرآنی کی روشنی کو آگے پھیلانے میں کافی کامیابی حاصل کر لی۔ حتیٰ کہ وہاں پرویز صاحب کے درس قرآن کریم کو (بذریعہ ٹیپ ریکارڈر) عام کرنے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ پچھلے دنوں بزم ڈھاکہ نے اپنا پہلا جشن سالگرہ منایا جس کی روئیداد نمائندہ بزم نے ہمیں ارسال فرمائی ہے۔ اس تقریب پر زیر صدارت محترم محمد طفیل انجنیئر صاحب ایک بزم مذاکرہ بھی منعقد کی گئی جس میں محترم محمد احمد گکر صاحب نے ایک مقالہ پڑھا۔ ہم اس تقریب کی روئیداد اور مقالہ کو بکمال مسرت پیش قارئین کرتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ان رفقائے قرآنی کی ہمتوں میں برکت عطا فرمائے اور وہ اس قابل ہو سکیں کہ قرآنی روشنی کو اس سرزمین میں دور دور تک پھیلا سکیں۔ طلوع اسلام]

روئیداد جشن سالگرہ بزم طلوع اسلام ڈھاکہ

خطبۂ صدارت:- محترم طفیل محمد انجنیئر صاحب۔

معزز حاضرین وارکانِ بزمِ ترقّی ! السّلام علیکم !

آپ نے دیکھا کہ نمائندہ بزم نے کس بیباکی سے میری طرف نظرِ التفات اٹھائی اور بغیر کسی توقف کے میرا نام اس جشن کی صدارت کے لئے پیش کر دیا۔ اور تائید کرنے والے بھی بڑے غضب کے نکلے کس برجستگی سے تائید کرتے چلے گئے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سازش پہلے ہی کی جا چکی تھی۔ بہرنوع میں ایک بے بس پرندہ کی طرح حکم کی بجا آوری پر مجبور ہو گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ میں اس کا اہل نہیں تھا۔

برادرانِ محترم ! آپنے جو پروگرام بنائے ہیں اس کے لئے وقت چاہیئے تھا۔ آپ کا پروگرام لمبا ہے لیکن وقت کم رکھا گیا۔ اس وقت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آپسے مختصراً چند باتیں کہنی ہیں۔

آپ کو سوتے، جاگتے، اٹھتے، بیٹھتے، غرض ہر لمحہ اس چھوٹی سی آیت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ

یہ آیت بظاہر بہت ہی چھوٹی ہے لیکن پیغام کتنا عظیم۔ کتنا بڑا۔ کتنا انقلابی ہے۔ خدا نے کتنے واضح طریقے سے فرما دیا ہے کہ مسلمانو ! اس قوم کی حالت نہیں بدلے گی جس نے خود کو بدلنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ سرفرازیاں، بلندیاں، خوش بختیاں آپکے قدم چومیں تو آپ ہر آن، ہر لمحہ، ہر ساعت عمل، صرف عمل کو زندگی بنائیں۔ صداقت و دیانت کو اپنا شعار بنائیں۔ اس لئے کہ زندگی کی گاڑی صداقت، دیانت اور عمل کے بغیر منزل تک پہنچ نہیں سکتی۔ راستے بڑے ہی پُرپیچ ہیں اور آپ کو ہر نوع منزل پر پہنچنا ہے۔ منزل کو پانے کے طریقے آپ کے سامنے ہیں۔ اب یہ آپ کا کام ہے۔ آپ کو خدا نے شعور دیا ہے، سمجھ بوجھ دی ہے، دوسری نعمتوں سے مالا مال کیا ہے۔ اب صرف عمل، مسلسل عمل کی ضرورت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کامزن ہو چکے ہیں۔ اب آپ کو یقینِ کامل کے ساتھ لگے رہنا چاہیئے تا آنکہ منزل آجائے۔ میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپنے میری باتیں سنیں۔

والسلام !

پروگرام :

(۱) نمائندہ بزم محمد اکرم راٹھور صاحب نے سالانہ بجٹ پیش کیا اور حضرت علامہ اقبالؒ مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نظم سنائی۔

(۲) آنرری سیکرٹری جناب داؤد صاحب نے لائبریری کے حسابات پیش کئے۔

(۳) محبوب شیدائی اور ندیم نیر نے کلامِ اقبالؒ اور نعتِ شریف سے سامعین کو محظوظ کیا۔

(۴) عبدالرحمٰن مجاہد اور رحمت اللہ رحمت صاحب نے نہایت عمدہ نظمیں سنائیں۔ ان میں انہوں نے یہ بھی

بتایا کہ "ہم نے اس تحریک سے کیا پایا"۔

مذاکرہ میں حصّہ لینے والے اصحاب۔

(۵) محمد احمد گہر صاحب نے بڑی تفصیل سے ماضی وحال کا موازنہ کیا اور اپنا نظریۂ حیات پیش کیا۔

(۶) نعمت اللہ صاحب نے بہت ہی عمدہ برجستہ تقریر فرمائی۔ اس میں انہوں نے مسلمانوں کے بدلے ہوئے رجحان پر روشنی ڈالی۔ ہمیں افسوس ہے کہ ان کی تقریر نوٹ نہیں کی جا سکی۔

(۷) محترمہ رقیبی بیگم صاحبہ بنت محترم اے۔ کے فضل الحق صاحب شیرِ بنگال نے برجستہ تقریر کی۔ انہوں نے بڑے ہی بلیغ وجامع انداز میں مسلمانوں کی بگڑی ہوئی حالت پر آنسو بہائے۔ ہمیں بے حد افسوس ہے کہ ہم ان کی تقریر کو نوٹ نہیں کر سکے۔

(۰)

بزمِ مذاکرہ

(بزمِ طلوعِ اسلام ڈھاکہ)

عنوان:۔ "ہم نے اس تحریک سے کیا پایا؟"

(محترم محمد احمد گہر)

مخدومی ومحترمی جناب صدر وعزیزانِ راہی قرآنی! سلام ونیاز۔

ہم آپ حضرات کے نہایت ممنون ہیں کہ آپ نے ہمیں اس مذاکرہ میں حصہ لینے کا موقعہ عنایت فرمایا۔ ہر چند کہ ہم اس قابل نہیں ہیں کہ اس دینی محفل میں کچھ بھی بولنے کی صلاحیت رکھتے ہوں خصوصاً ایسے دل افروز ماحول میں جہاں ہمارے رفیقانِ محترم میں اُن حضرات کی کمی نہیں جنہیں دینی امور پر قدرت حاصل ہے' یہ اعزاز ہمیں ملنا چاہیئے تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم ان کے علمی تجربہ کے محتاج ہیں۔ آج آپ کے سامنے ہم جو کچھ کہہ سکیں گے ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ یہ سب کچھ ہمارے بزرگ ومحترم جناب پرویز کی تقریروں کا فیض ہے۔

عزیزانِ گرامی! آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ ہماری یہ بزم سالِ گزشتہ ۱۸ فروری ۱۹۶۹ء کو تشکیل پذیر ہوئی تھی ہم میں سے ہر شخص نے عہد کیا تھا کہ ہم لوگ تسبیح کے دانوں کی طرح متحد ومتفق رہیں گے۔ علاوہ ازیں اپنی اصلاح کے لئے خدائے بزرگ وبرتر اور اس کے محبوب حضرت نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کے عملاً بتائے ہوئے راستوں پر گامزن رہنے کی سعی کرتے رہیں گے۔ اللہ پاک کا شکر ہے کہ ہم لوگوں کے قدم بے باک بڑھ رہے ہیں۔

آج کی یہ تقریب اسی سلسلے کی سالانہ تقریب ہے۔ دعا ہے کہ خداوند عالم ہمیں اتنی صلاحیت دے کہ ہم لوگ مستقبل کے ہر سال میں ایسا ہی جشن منا سکیں۔ چنانچہ اس جشن کی ابتدا مندرجہ بالا عنوان سے ہو رہی ہے۔

ہم نے اس تحریک سے کیا پایا؟

آج ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے کہ ہمارے ماضی و حال میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ہماری فکری حدیں کس مقام تک پہنچیں۔ ہم نے کس قدر غور و تدبر سے کام لیا۔ پچھلے وقتوں کی بات ہے کہ ہماری زیست میں ایک ایسا بھی دور تھا جب ہم پہروں اسی فکر میں غلطاں رہا کرتے تھے کہ ہمارے علمائے کرام جنہیں نائب رسول کہا جاتا ہے، جانے وہ کون سا مفاد ہے جسے پیش نظر رکھتے ہوئے چھوٹی چھوٹی باتوں پر کفر و الحاد کے فتوے صادر فرمایا کرتے تھے ہمیں اب بھی اچھی طرح یاد ہے جب انگریزی تعلیم کے خلاف فتوے دیئے گئے۔ لاؤڈ اسپیکر کے متعلق کہا گیا کہ اس کی بڑھتی ہوئی آواز شیطان کی آواز کے مشابہ ہے اس لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔ حالانکہ شیطان کی آواز آج تک کسی نے سنی بھی نہ ہوگی۔ علمائے کرام کی کرم نوازی کا یہ عالم کہ ببانگ دہل فرما دیا گیا کہ فلاں شخص فرنگی زبان کو عام کرنے کے لئے درس گاہ تعمیر کر رہا ہے۔ اس نے انگریزوں سے ساز باز کر رکھا ہے لہٰذا ایسے شخص کو مسلمانوں کی صف میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔ کبھی یہ کہا گیا کہ فلاں شخص صرف اللہ پاک سے شکوہ ہی نہیں اسے ہرجائی بھی کہہ رہا ہے اس لئے وہ مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ کبھی یہ کہ فلاں شخص علماء کی جماعت سے تعاون نہیں کر رہا بلکہ دو قومی نظریہ کی بنیاد پر اسلامی مملکت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس نے اپنی ساری زندگی انگلستان میں گزاری ہے۔ اس کا رکھ رکھاؤ، اس کی چال ڈھال انگریزوں جیسی ہے اس کو مسلمان کس طرح کہا جائے۔ ایک موقعہ ایسا بھی آیا، جب بڑی دیانت داری سے کہا گیا کہ فلاں شخص اپنی تحریروں کے ذریعہ قرآنی حقائق واکر رہا ہے۔ وہ جھوٹی روایتوں کا پرستار نہیں ہے، وہ ہر بات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنا سکھاتا ہے مسلمانوں کو صرف قرآن کا شیدائی بنا رہا ہے۔ ایسے شخص کو مسلمان کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ بغرض فتووں کے بم پھٹتے رہے، پھٹ رہے ہیں مستقبل میں جانے وہ کون خوش نصیب ہوگا جس کی باری آئے گی۔ آپ خود غور فرمائیں۔ جہاں ایسی مشکلیں ہوں وہاں ایک حساس دل رکھنے والا مسلمان اپنے آپ کو الگ تھلگ کس طرح رکھ سکتا تھا۔ ہمارا بھی کچھ ایسا ہی حشر ہو رہا تھا۔ ویسے مطالعہ کا ذوق تو بچپن ہی سے دل و نظر پر حاوی تھا۔ مختلف مذاہب کی کتابیں پڑھیں۔ اپنے ہاں کے مختلف فرقوں کے عقاید کا مطالعہ کیا۔ مگر دل کو تسکین نہ مل سکی۔ علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کی شہرۂ آفاق نظم شکوہ جوابِ شکوہ پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ علامہ محترم کی دوسری تصنیفیں، بانگِ درا، بالِ جبریل، تجلی نگاہ بنیں جس سے رفتہ رفتہ یہ حقیقت بھی واضح ہوتی گئی کہ ہمارے حالات کلامِ ربانی کو سمجھ بوجھ کر پڑھنے اور مسلسل عمل کرنے ہی سے بدل سکتے ہیں۔ اللہ کا کرم ہے کہ ہم اس در نایاب کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ کلامِ خداوندی کے ایک ایک لفظ کو

اپنی زندگی کا راہ نما بنائیں۔ اس کے ہر حکم پر عمل کریں۔ عزیزانِ من! اس کتابِ مبین کی ہدایتوں پر مسلسل عمل کے بغیر زندگی کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ امت کے پاس اس کے سوا اور کوئی دوسرا ضابطۂ حیات ہے ہی نہیں جو تمام الجھنوں سے پاک اور مصفّیٰ ہو۔ ابھی ہم یہیں تک پہنچے تھے کہ ہمارے مشفق دوست رشید احمد بیتاب نے ایک کتاب "جہانِ نو" دکھائی۔ اس کے دیکھنے کے بعد مصنف موصوف کی دوسری کتابیں پڑھیں۔ مصنف کی شعلہ نوائی نے ذہن کی گرہیں کھول دیں۔ برسوں کی لگی ہوئی کائی چھٹنے لگی۔ قرآنی آیات اور اس کے دلائل دل میں اترتے چلے گئے۔ اب ہم اس راہ پر آ گئے ہیں جہاں سے وہ نقوشِ قدم صاف نظر آ رہے ہیں جن کے لئے ہمارا دل برسوں سے محوِ جستجو تھا۔ جنابِ پرویز کی تحریروں نے تو دل کی دنیا ہی بدل دی۔ شب و روز اسی غور و فکر میں گذر رہے ہیں کہ مسلمانوں کے حالات ذا طوار کس طرح تغیر پذیر ہو سکتے ہیں۔ ابلیسیت کا فسوں کیونکر توڑا جا سکتا ہے۔ اگر ہماری مساعی اسی طرح آگے بڑھتی رہی تو آپ یقین کیجئے، صبحِ خاور کی کرنیں وہ نظارہ ضرور دیکھیں گی جب دلوں کی سیاہیاں نور میں بدل جائیں گی۔ صدیوں کے جاہلانہ رسوم کا جنازہ نکل جائے گا۔ "واہمہ" کے بت پاش پاش ہو جائیں گے۔ اس وقت ہم بصدا افتخار و ناز کہہ سکنے کے قابل ہوں گے کہ

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے

بزرگانِ محترم! ہمارا موضوع تھا — "ہم نے اس تحریک سے کیا پایا"— آپ نے ہمارا پس منظر سنا۔ اب حال کی بدلی ہوئی قدریں بھی سنیں گے۔ جہاں تک ہم سمجھ پاتے ہیں امت کا ہر فرد انہی الجھنوں کا شکار ہے۔ انہیں دراصل یہ سمجھنے کی مہلت ہی نہیں دی جاتی کہ آخر اس کتاب میں ہے کیا جسے معبودِ حقیقی نے یہ کہہ کر نازل فرمایا تھا کہ:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

یہ کتاب ہر شک شبہ سے پاک ہے۔ اسے ہر لحاظ سے مکمل کر دیا گیا ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

آج کے دن ہم نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا۔ اور اپنی تمام نعمتوں کا اتمام کر دیا۔

آپ غور فرمائیں کہ کتابِ مبین ہمارے سامنے ہر زاویئے سے مکمل ترین صورت میں آتی ہے۔ تھوڑی سی فکر سے کام لیجئے تو آپ کو اس کتابِ عظیم میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق ہدایات ملیں گی۔ یہی اس کتاب کا دعویٰ ہے لیکن حیرت ہے کہ جو شخص اس کے اس دعویٰ کو علیٰ وجہ البصیرت دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے ہمارے مذہب پرست طبقہ کی طرف سے اس کے خلاف طوفان برپا کر دیا جاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں شخص دین میں اضافہ کرنا چاہتا

ہے۔ کوئی کہتا ہے کلامِ ربانی کو بزرگوں سے زیادہ سمجھنے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ مسلمانوں کو مادی قوت میں الجھانا چاہتا ہے۔ ایسا شخص لعنتی ہے۔ مردود ہے۔ کافر ہے۔ اس کی کسی بات کو نہ سنو، اس کی کسی تصنیف کو نہ دیکھو حتیٰ کہ ان کتابوں کو ہاتھ تک لگانا بھی گناہِ عظیم ہے۔ لیکن عزیزانِ من! آپ ان کی باتوں پر نہ جائیے۔ خدا کی واضح ہدایات پر غور کرو۔ فکر کرو۔ دیکھو۔ سمجھو کہ اس غیر فانی کتاب میں تمہارے لئے خزانے بھر دیئے گئے ہیں۔ اس پر عمل کرو گے تو جہاں بانی کرو گے۔ زمین کا سینہ چیرو گے اور فطرت کی ناقابلِ تسخیر قوتوں کے مالک بن جاؤ گے۔ بھائیو! اگر آپ کو اس دنیا میں زندہ رہنا ہے تو زندہ اقوام کے طریقۂ عمل کو دیکھنا ہوگا۔ کرۂ ارض کے چپہ چپہ کی چھان بین کرنی ہوگی۔ کلامِ ربّی کے ایک ایک لفظ پر تحقیق کرنی ہوگی۔ زمین کا سینہ چیرنا ہوگا۔ کائنات کے ذرے ذرے کو اپنا تابع فرمان اور اپنا غلام بنانا ہوگا۔ پتنگوں کی جگہ راکٹ وخلائی طیارے اڑاتے ہوں گے۔ نظم مملکت ایسے بنانے ہوں گے کہ کوئی نادار محتاج۔ لاچار وغریب پیٹ کی آگ ہی میں نہ جھلس جائے۔ تن ڈھانپنے کو نہ ترسے۔ یتیم خانے کارخانوں میں بدل جائیں۔

عزیزو! مسلسل جدوجہد ہی کو تقدیر کہتے ہیں۔ پورے قرآن کو دیکھ جائیے۔ کہیں بھی آپ کو یہ نظر نہ آئے گا کہ غلامی، اور محکومی، مفلسی اور ناداری مومن کا شعار ہے۔ قرآن تو آیا تھا ہدایت نور پھیلانے، اقوامِ عالم کی امامت کرانے، لیکن ہم نے اس کو جزدان کی زینت بنا دیا۔ اگر کبھی پڑھنے کی زحمت بھی اٹھانی پڑی تو محض رسمی ثواب کی غرض سے چوما، بوسہ دیا، چند آیتیں تلاوت کیں اور پھر غلاف میں لپیٹ کر رکھ دیا۔ مسلمان عرشی ہدایات سے جس قدر دور ہوتا گیا، ذلیل و پست ہوتا گیا۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ وہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گیا ہے اس کا مسلمانوں جیسا نام ہے اس لئے اسے مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تو یقین مانئے کہ وہ خود فریبی میں مبتلا ہے۔ اس لئے کہ

قہاری و جباری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان!

آپ غور فرمائیے کہ علامہ علیہ الرحمتہ مسلمان ہونے کی کیا شرطیں بتا رہے ہیں۔ ان شرطوں میں کسی ایک عنصر کی بھی کمی رہ گئی تو مسلمانیت ادھوری رہ گئی۔ زندگی کا تقاضا ہے کہ حالات سے نبرد آزما ہو جائیے۔ ہوتے رہیے۔ ہونے کے لئے تیار رہیے۔ حالات کو تسخیر کر لیجئے ورنہ حالات آپ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ان کے آہنی پنجوں سے کتنی ہی قومیں تباہ ہو چکی ہیں۔ آپ کو یہ سنکر سخت تعجب ہوگا کہ اب تک مسلمانوں کی سینکڑوں مملکتیں اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے افسانۂ ماضی بن چکی ہیں۔ اس دور کے مسلمان بھی اگر اپنے حالات۔ ماحول، روشیں، تدریں، قرآن کے سانچے میں نہ ڈھال سکے اور وہی کچھ کرتے رہے جو پچھلی مملکتوں کے مسلمان کرتے رہے تھے تو یاد رکھیئے۔ ہم

مسلمانوں کا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ اسے کبھی نہ بھولیئے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ط

یعنی خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی جس نے خود کو بدلنے کی کوشش نہیں کی۔

رفیقانِ محترم! یہ دنیا دار العمل ہے۔ یہاں صرف عمل سے بیڑے پار ہوتے ہیں۔ یورپی اقوام کے طریقۂ عمل کو آپ دیکھ رہے ہیں کس طرح ان لوگوں نے پہلے زمین کا سینہ چیرا۔ کوئلہ۔ لوہا۔ تیل۔ دوسری معدنیات نکال کر تسخیرِ فطرت کا تقاضا پورا کیا۔ پانی۔ ہوا پر اپنا کنٹرول قائم کیا۔

سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ

پر عمل کرکے انتہا کردی۔ آج ان کے دستِ قدرت میں کائنات کی بیشتر چیزیں آچکی ہیں۔ وہ خود کفیل ہی نہیں دوسری قومیں ان کی محتاج ہیں۔ خصوصاً مسلمان تو بالکل ہی تہی داماں ہے۔ کھانے تک کے لیئے غلہ کبھی بھیک اور کبھی قیمتاً حاصل کرتے ہیں۔ اپنی حفاظت کے لئے ان سے گولے بارود، ٹینک، توپ، طیارے خریدتے ہیں۔ حالانکہ نزولِ قرآن کے وقت ہی جس کو ساڑھے تیرہ سو سال گذر چکے ہیں، خدائے بزرگ و برتر نے واشگاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ مسلمانو! تم کو دنیا میں اگر زندہ رہنا ہے تو ان طریقوں پر عمل کرنا ہوگا کہ تمہاری سرحدوں پر گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوئے ہوں کہ اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن دیکھ کر دہل جائیں۔ لیکن بدقسمتی کہ مسلمان ان تعلیمات سے دور ہوتا چلا گیا جس کا انجام یہ ہوا کہ اپنی حفاظت کرنے کے قابل بھی نہیں رہا۔ ۱۹۶۷ء کا زمانہ زیادہ دور نہیں گیا۔ آپ نے دیکھا کہ دنیا کی ٹھکرائی ہوئی قوم اسرائیل کی چھ گھنٹوں کی لگائی ہوئی ضرب کو مسلمان چھ سو برس تک نہیں بھول سکتے۔ اس کے بعد بھی وہ جب چاہتا ہے جس طرف کا رُخ کرتا ہے چرکوں پر چرکے لگاتا چلا جاتا ہے۔ مسلمان بلبلا کے رہ جاتا ہے۔ وہ ارضِ مقدس جس کو یہودیوں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا، آج یہودیوں نے تھپڑ مار کے چھین لی اور پوری دنیا کے مسلمان احتجاج کی حد سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ عرب کے وہی غیور مسلمان تھے جنہوں نے بڑی سے بڑی باجبروت قوموں کے پرخچے اڑا دیئے تھے، آج کتنے نادار اور پست ہیں۔ کبھی وہ عالم تھا، اور اب یہ عالم ہے کہ مسلمان ایک مذاق بن کر رہ گیا ہے۔ نہ اسکی اجتماعیت قائم ہو سکی اور نہ کوئی مرکز کا قیام ہی ممکن ہو سکا جس طرف نظر اٹھا کے دیکھئے، انتشار کے سوا کچھ نظر نہ آئیگا، البتہ بہتر قسم کے فرقے ضرور نظر آئینگے۔ دنیا میں مسلمانوں کی آبادیاں جہاں جہاں ہیں سب ایک ہی ڈگر کے راہی ہو چکے ہیں۔ پاکستانی مسلمانوں کی حالت اور بھی قابلِ رحم ہے۔ فرقوں کے بھوت پہلے ہی سوار تھے۔ اب علاقائیت کے جراثیم بھی جوان ہو رہے ہیں۔

میرے بزرگو! عزیزو!! بڑا ہی نازک وقت آ پہنچا ہے۔ ایسے میں آپ کی ذمہ داریاں اور بڑھ گئی ہیں۔ علاقائیت کے جراثیم کو پھیلنے سے روکنے کی تدبیر کیجئے۔ فرقوں کے وجود کو ختم کرنا فی الحال آسان تو نہیں ہے لیکن آپ اپنی

کوششوں کو جاری رکھیئے۔ پورے خلوص اور دیانت سے لگے رہیئے۔ اپنی اپنی بستیوں میں پھیل جائیے۔ لوگوں کے آپس کے تنازعات کو ختم کرائیے۔ اخوت و محبت کا درس دیجئے۔ اور یہ بھی دیکھیئے کہ کون ضرورت مند ہے غریب ہے، نادار و لاچار ہے۔ مقدور بھر ان کی حاجت روائی کیجئے۔ ابتداء میں دشواریاں ضرور ہوں گی مگر رفتہ رفتہ جب یہ چیزیں عادت بن جائیں گی، اس وقت بار محسوس نہیں ہوگا۔ اسی طریقہ عمل کو اپنا کر مسلمان اپنی کھوئی ہوئی عظمتوں کو واپس لا سکتا ہے۔ قرآنی قوانین و اقتدار کا منشا بھی یہی ہے۔

حضرات! آپ سے آخر میں ایک بات اور کہنی ہے۔ آپ کی یہ بزم خالص دینی بزم ہے۔ یہ بزم ادارہ طلوع اسلام کی ایک شاخ ہے۔ آپ نے بزم کا ماہنامہ طلوع اسلام کا مطالعہ کیا ہوگا۔ اس میں کالج کے سلسلے کی تحریر نظر سے گذری ہوگی۔ جن صاحبان نے طلوع اسلام کا مطالعہ نہیں کیا ہم ان کی اطلاع کے لئے عرض کرتے ہیں کہ ہمارے مرکز نے طلوع اسلام کالج کی تعمیر کے لئے پروگرام مرتب کر لیا ہے۔ یہ چیز باعث مسرت ہے اور متقاضی تعاون بھی۔ اس کالج میں علاوہ عام نصاب کے قرآنی نصاب بھی ہوگا۔ طلباء جس طرح انگریزی، اردو، اور بنگلہ زبان میں گفتگو کرتے ہیں انشاء اللہ عربی زبان پر بھی حاوی ہو جائیں گے۔ یہ اسکیم صرف کالج تک ہی محدود نہیں رہے گی بلکہ آہستہ آہستہ اسکی حد میں یونیورسٹی کی منزل تک جا پہنچیں گی۔ انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب یہ یونیورسٹی دنیا کی عظیم ترین یونیورسٹیوں میں شمار ہونے لگے گی اور وطن کا بچہ بچہ قرآن فہم ہو جائے گا۔ اور انشاء اللہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ اس یونیورسٹی سے ہمارے بزرگ محترم پرویز مدظلہ العالی جیسے سینکڑوں بلکہ ہزاروں محققین قرآن پیدا ہوں گے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ بھی اس باب میں تعاون کریں۔ ہم لوگوں کی ساری کوششیں کلام ربانی کی تحقیق پر مبنی ہیں اور مقصد یہ بھی ہے کہ قرآنی تعلیمات کو عام کرنے میں آپ کی بھی جدوجہد شامل ہو۔

والسلام!

(۶)

جہانِ نو

وہ کتابچہ جس میں طلوع اسلام کے شائع کردہ انقلاب آفریں لٹریچر کا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے؛

ایک کارڈ لکھ کر

مفت طلب فرمائیے!

اس قسم کا لٹریچر ——— آپ کو ——— اور کہیں نہیں مل سکیگا۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۲۵۔ بی۔ گلبرگ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تسخیرِ ارض و سماء

محترم یعقوب حسن قریشی صاحب ——— بانک ملی افغان، کابل۔ افغانستان

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (۴۵/۱۳)

"اور جو کچھ آسمانوں (بلندیوں) میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے" (اللہ تعالیٰ نے) اِن سب چیزوں کو خالصۃً اپنی طرف سے تمہارے لئے (سب انسانوں کے لئے بدون تخصیص مومن و کافر) مسخر کر دیا۔ جان لینا چاہیئے کہ اِن امور میں اُس قوم کے لئے نشانیاں (رہنما ہوئے یا دلائل یا آثار وغیرہ) موجود ہیں جو کائنات کی آفرینش اور اسرار میں تفکر و تفحص کرتے رہتے ہیں۔"

اس موقع پر یہ بھی ذہن میں رکھ لینا چاہیئے کہ آسمانوں اور زمین کی آفرینش پر تفکر و تدبر بہت سی آیاتِ کریمہ کی ہدایت کے مطابق حقیقۃً اللہ جل جلالہٗ کے ذکر میں مصروف رہنا ہے۔

آیہ ماقبل ایک بڑے لطیف پیرائے میں ہمیں اِس آیہ کے مرام کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے "خدا وہ (ذاتِ توانا و لایزال) ہے کہ اُس نے سمندروں کو تمہارے لئے مسخر بنا دیا ہے، چنانچہ اُس کے" امر" سے کشتیاں اور جہاز (بڑے اطمینان سے آجکل بھی) چلتے پھرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ تم اُس کی عطا کردہ روزی کی تلاش کرو اور (جب اِن چیزوں سے سعی اور زحمت اور علم کے ذریعے فائدہ اٹھاتے ہو) تو اُس کا شکر بجا لاؤ۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تم اللہ کے عطا کردہ علم اور سعی سے سمندروں اور کشتیوں کو مسخر کر سکتے اور ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہو تو اِسی طرح بقوۃ علم و سعی کائنات کی بلندیوں کی سیر بھی کر سکتے ہو اور وہاں سے تمہیں بیحد حساب رزق ملے گا۔ چونکہ یہ سب چیزیں اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہیں، خدا کا شکر بجا لانا انسان پر لازمی ہوا اگر

سعی و عمل کے ذریعے سے، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے نہیں۔

بھولنا نہ چاہیے کہ دنیا میں سب سے پہلی کشتی (کشتی حضرت نوحؑ) وحی کی رہنمائی سے بنائی گئی تھی۔ اس کے بعد انسان اپنے علم اور تجربات کو ترقی دیتا چلا گیا۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ کشتیاں بڑے اطمینان سے سمندروں اور دریاؤں کی سطح پر تیرتی پھرتی ہیں اور انسان سریع تر رفتار سے تمام دنیا کی سیر کر سکتا ہے اور مختلف ممالک کے درمیان تجارتی اموال کا مبادلہ ہوتا ہے اور "بادشرطہ" کی بھی کوئی حاجت باقی نہیں رہی۔ اور یہ بالکل واضح ہے کہ علم و حکمت کی برکت سے آجکل کے جہاز بزرگتر، سریع تر اور مستریح تر ہیں۔

باعثِ نگارش | یہ مقالہ درحقیقت میں نے جون ۱۹۶۹ء میں انگریزی میں لکھا تھا اور پھر میں نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا۔ اس مقالے کو اس وقت مکمل کیا گیا جب اپالو یازدہم کے چاند کی سطح پر اترنے کی خبر پہنچی۔ اب اس کا اردو ترجمہ ہم طلوعِ اسلام میں شائع کرتے ہیں۔

میں نے اِس مضمون کے لکھنے پر اس وجہ سے قلم اٹھایا ہے کہ کچھ مہینے پہلے امریکہ کے دلیر کیہان نوردوں نے اپالو نہم اور اپالو دہم میں چاند کے دورا دور چکر لگایا اور پھر زمین کی طرف لوٹ آئے۔ گیارھواں اپالو ۱۶ر جولائی ۱۹۶۹ء کو (بروز چارشنبہ) زمین سے چاند کی طرف پھینکا گیا۔ نیل آرمسٹرانگ (NEIL ARMSTRONG) پہلا انسان ہے جس نے چاند کی سطح پر قدم رکھا ہے۔ اس کے بعد اڈوین الڈرین (ADWIN ALDRIN) اڈوین الڈرین کیپسول سے نکلکر چاند کی سطح پر اُترا۔ اِس عرصے میں مائیکل کالنیز (MICHAEL COLLINS) سفینہ کیہانی (اپالو یازدہم) کو چاند کے دورا دور چلا رہا تھا۔ یہ امریکائی کیہان نورد بروز پنجشنبہ ۲۴ر جولائی کو زمین پر بخیر و عافیت واپس لوٹ آئے۔

اس کے بعد بروز جمعہ ۱۴ر نومبر ۱۹۶۹ء کو امریکہ کے دوسرے تین دلیر کیہان نوردوں نے اپالو ۱۲ میں پھر چاند کی طرف پرواز کی۔ ان میں سے کونرڈ اور بین چاند کی سطح پر اترے اور گورڈن بڑے سفینہ (اپالو ۱۲) کو چلا رہا تھا۔ یہ دو کیہان نورد اپالو ۱۱ کی نسبت ۳۲ گھنٹے زیادہ چاند کی سطح پر رہے۔ اس دلیر کارنامہ اور فنی شاہکار کے بارے میں عجیب و غریب خیالات کا اظہار کیا گیا۔ مثلاً قدامت پرست لوگ کہتے ہیں کہ "چاند کی سطح پر کوئی بھی نہیں اتر سکتا اور سطحِ ماہتاب پر ہبوط ایک سفید جھوٹ ہے کیونکہ چاند فلاں آسمان (مثلاً سورج چوتھے آسمان[1] میں ہے اور مریخ۔ زہرہ۔ مشتری اور زحل وغیرہا فلاں فلاں آسمان میں ہیں) میں ہے اور چاند اور دوسرے

---

[1] میرے خیال میں سورج کے چوتھے آسمان میں ہونے کی یہ تشریح ہے۔ زمین کے بعد چاند، پھر زہرہ، پھر عطارد اور پھر سورج واقع ہے۔ سورج چوتھی بلندی پر ہے۔

ستاروں کی فضائی راہ میں فوق العادہ حرارت موجود ہے، لہٰذا انسان اور دوسرے آلاتِ نقلیہ جل کر گیس میں تبدیل ہوجائیں گے۔" یہ خیالات صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ یہ لوگ ابھی تک یونان کے قدیمی فلاسفر کے پرانے نظریات کی پیروی کر رہے ہیں۔ یا انہوں نے غیر موثوق کتابوں کے افسانوں کو صحیح مان رکھا ہے۔ بعض احباب کا خیال ہے کہ "غیر مسلم لوگ اِن بیہودہ اور عبث کاموں کے پیچھے پھر رہے ہیں۔ ہم اہلِ اسلام کو ایسی دنیوی چیزوں سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمیں تو نماز، روزہ اور دوسرے ارکانِ اسلام کی ضرورت ہے۔ ہم معاد چاہتے ہیں اور اپنے قول کے اثبات میں یہ بیت گنگناتے ہیں ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسمان نیز پرداختی

محترم خوانندگان اس بیان سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ گروہِ مسلمین اُس فرضِ منصبی سے جو قرآنِ حکیم نے ان کے لئے تعیین فرمایا ہے، ناواقف اور بے اعتناء ہو چکے ہیں۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ لوگ ہر قسم کی موٹروں، طیاروں، بجلی، راڈیو، توپ و تفنگ وغیرہا (کہ یہ سب کی سب غیر مسلمین کی اختراعات ہیں) استعمال کر رہے ہیں اور ان سے استفادہ پر مجبور ہیں۔ کیا یہ سب اختراعات بیہودہ ہیں؟ جاننا چاہیئے کہ انسان ہر وقت مامور اور مکلف ہے کہ علم و حکمت کو ترقی دیتا چلا جائے۔ بعض کا خیال ہے کہ نور (LIGHT) کی سرعتِ سیر (VELOCITY) کی تولید کے لئے ضروری ہے کہ انسان نور کی سی ہیئت اختیار کر لے لیکن میں وثوق سے کہتا ہوں کہ انسان (یہ پیکرِ خاکی) اس مشکل پر بھی غالب آسکتا ہے۔ یہ پیکرِ خاکی خدائے توانا کے حکم سے مسجودِ ملائکہ ہے یعنی فرشتے اس کی فضیلتِ علمی کے سامنے جھک گئے تھے۔ بنابرآں انسان یقیناً ایسی سفینہ کیہانی بنا سکیگا جس کی رفتار اس نور (LIGHT) سے بھی بمراتب سریع تر ہوگی اور یہ مٹی کا پتلا بڑے آرام و اطمینان سے اس میں بیٹھ کر روشنی اور تاریکی کو چیرتا ہوا سماوات کی سیر و سیاحت کرے گا۔

آجکل ہر شخص جانتا ہے کہ ماہتاب زمین سے ۲,۴۷,۰۰۰ میل کے فاصلہ پر (۳۹۶۰۰۰ کیلومیٹر تخمیناً) واقع ہے اور چاند زمین کے دورا دور حرکتِ انتقالی انجام دیتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ یہ سب ستارے (ثوابت ہوں یا سیار، یا اقمار یا کہکشاں[1] یا وہ ستارے ہوں جن کو ابھی تک ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھا) آسمانِ دنیا

---

[1] دنیا کے "آسمان" بیکراں میں، ایسی کہکشائیں ہیں کہ ہر ایک میں لاکھوں کروڑوں ستارے اور سورج اور سیارے اور چاند ہیں کہتے ہیں کہ آسمان میں "خلاء" نہیں اور یہ بیکراں فضا کئی لاکھوں "سالِ نور" (LIGHT YEARS) کی پہنائی رکھتی ہے بانیٹرجن سے بھری پڑی ہے۔ اس سے پہلے سائنسدان خیال کرتے تھے کہ فضا میں ایتھر (ETHER) ہے جو ہماری کائنات کی عمر کا

(باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

کے جو ہیں (دنیا بمعنی نزدیک ترین) اپنے اپنے مدار (ORBIT) معین میں تیر رہے ہیں۔ وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ (۶۷:۵)

(ترجمہ) جاننا چاہیئے کہ ہم نے آسمانِ دنیا (وہ آسمان جو زمین کے نزدیک ترین ہے) کو چراغوں سے زینت دی ہے۔ اور ان چراغوں کو "شیطانوں" کے لئے بھگا دینے والا بنایا ہے اور ہم نے اُن کے لئے عذاب سوزاں تیار کر رکھا ہے۔"

ریاضی دانوں اور ماہر ستارہ شناسوں نے معلوم کیا ہے کہ "نور" ایک سیکنڈ میں ۱۸۶۰۰۰ میل (مساوی = ۳۰۰۰۰۰ کیلومیٹر تقریباً) کا فاصلہ طے کر لیتا ہے (روشنی طے کر لیتی ہے) اور ستاروں کے بُعد کا "سالِ نور" کے حساب سے اندازہ لگاتے ہیں۔ روشنی ایک سال میں ۱۸۶۰۰۰ × ۶۰ × ۶۰ × ۲۴ × ۳۶۵ انگلیسی میل طے کرتی ہے۔ ستارہ قطبی جو دُبِّ اکبر کا مرکز ہے' زمین سے کس قدر دور ہے؟ اگر روشنی یا برق پچاس سال مسلسل حرکت کرے تو پھر کہیں جا کر ستارہ قطبی کی روشنی زمین پر پہنچے گی۔ کہتے ہیں کہ اگر برق یا روشنی ۵۰ ملیون سال حرکت کرے (ایک بلیون 'BILLION' مساوی ۱۰۰۰ ملیون 'MILLION' اور دس ملیون ہمارے ایک کروڑ کے برابر ہوتا ہے) تو پھر فضا کے قطر کا طول بنائے گی۔ اگر قطر کو ۲۲/۷ سے ضرب دیں تو دائرے کا محیط ہاتھ لگے گا۔

ایالاتِ متحدہ امریکہ (U.S.A.)، روس، انگلستان، چین، جاپان، فرانس، اٹلی اور جرمنی وغیرہ ہا ہم مسلمانوں کی نسبت علوم و فنون میں بہت زیادہ آگے بڑھ گئے ہیں۔ چنانچہ اِن غیر مسلم لوگوں کی علمی ترقیات اور فنی انکشافات نے اہلِ اسلام کے دل و دماغ کو مسخر کر لیا ہے اور اُن کی آنکھیں چندھیا گئی ہیں۔ بنابریں فرزندانِ اسلام میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو کمیونزم پر فریفتہ ہو کر اُس کا راگ الاپ رہے ہیں اور دوسرا گروہ

(سلہ۔ بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ) ۵۰ سے ۷۰ ملیون سال تخمینہ لگاتے ہیں۔ نویسندہ کی رائے میں اس تمام کائنات کی عمر قرآن کے چھ (۶) سماوی حرفوں سے استخراج کی جا سکتی ہے۔ ممکن ہے کاربن ۱۴ (C14 CARBON) کی طرح کوئی عنصر ایجاد ہو جائے جس کے ذریعے سماوات اور ارض کی عمر کا اندازہ کیا جا سکے۔ کہتے ہیں کہ کہکشانوں کی تعداد ایک بلیون سے بھی زیادہ ہے اور ان کہکشانوں میں ستارے موجود ہیں جو ہمارے سورج سے ہزار گنا بڑے ہیں۔ اِن تمام ستاروں کو بڑی بڑی دوربینوں کے ذریعے دیکھا گیا ہے۔

اے فرزندانِ اسلام! کیا آپ نے قرآن کریم کی ہدایت اور حکم کے مطابق آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں کبھی تفکر اور تدبر کرنے کی زحمت اٹھائی ہے؟ اور ان سے مفید نتائج حاصل کئے ہیں؟ یہ عظیم کارگہ حیرت فزا کو سب تم ہی نوعِ انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ آگے بڑھو علم حاصل کرو۔ تفکر و تدبر کرو اور اپنی آخرت سنوار لو۔

ڈیموکریسی کے گیت گا رہا ہے اور سب بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ "یہ تو غیر مسلمین تو چاند پر پہنچ گئے اور ہم مسلمانوں کے لئے اس زمین پر بھی رہنے سہنے کے لئے جگہ نہیں رہی۔ اسلام نے اس ۱۴۰۰ سال کی مدت میں کیا کیا ہے۔ ہماری تاریخ میں تو کچھ بھی نہیں کیا بس معلوم ہوا کہ اسلام ہم کو زوال و انحطاط کی طرف دھکیل کرلے گیا ہے۔" اس طبقے کے اکثر افراد کو تاریخ اسلام سے آگہی نہیں۔ نہ وہ عربی جانتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے سطحی ہو یا عمیق۔ یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں کہ یہ تمام محیر العقول اکتشافات اور اختراعات صرف علم و حکمت کا نتیجہ ہیں اور یہ کہ کمیونزم یا اصولِ ڈیموکریسی یا نظامِ امپیریالیسٹی نے ان چیزوں کو پیدا نہیں کیا' بلکہ یہ سب کچھ فقط انسان کی اپنی سعی و کاوش کا پھل ہے۔ مغربی لوگوں نے علم و حکمت کی تحصیل میں فوق العادہ زحمت اٹھائی ہے اور وہ تفکر و تدبّر کے ذریعے اس بلند مرتبے پر پہنچے ہیں۔ وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ وَ اَنَّ سَعۡیَہٗ سَوۡفَ یُرٰی ۝ ثُمَّ یُجۡزٰىہُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰی ۝ وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الۡمُنۡتَہٰی ۝ (۵۳ : ۳۹-۴۲)۔ "اور انسان نے جس حد تک دوڑ دھوپ کی ہے اس حد تک اس کو ضرور پھل ملیگا۔ اور اس کی کوشش ضرور بالضرور دیکھی جائے گی اور پھر اس کو کافی و وافی بدلہ دیا جائے گا۔ اور جان لو کہ آخر کار تم سب کا تیرے رب کے حضور میں مرجع اور بازگشت ہے۔ یعنی تم سے پورا پورا حساب لیا جائے گا۔"

غور فرمائیے کہ قرآن کریم نے یہاں "انسان" کو خطاب کیا ہے کسی رنگ یا نژاد یا کافر یا مومن کی تخصیص نہیں کی۔ آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ نصاریٰ یا دوسرے غیر مسلم انسانوں کو ان کی مذہبی کتابوں نے اختراعات کا شوق نہیں دلایا اور نہ ہی کسی خاص سیاسی نظام نے ان کو اس طرف رغبت دلائی بلکہ عرب کے علماء و حکماء نے علوم و فنون کے حاصل کرنے میں مشقتیں اٹھائی ہیں اور سائنس کا دقیق مطالعہ کرکے گوناگوں اختراعات اور ایجادات کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

ہم اس مقالے میں اپنی ملّتِ اسلامی کو بتانا چاہتے ہیں کہ قرآنِ حکیم اس موضوع میں ہمیں کیا تعلیم و تلقین فرماتا ہے بلکہ کیا حکم صادر کرتا ہے۔ میرے پیارے بھائیو! قرآن مجید پڑھو اس کے مضامین کو سمجھو، ان پر غور و تفکر کرو، ہدایت حاصل کرو اور اپنی آخرت سنوار لو۔

تمہید میں ذیل کی آیات کو اس علمی نافع مضمون کی تمہید کے لئے انتخاب کرتا ہوں۔ اور میری رائے میں یہی سب سے موزوں عبارت ہے۔ چونکہ یہ موضوع بالکل نیا ہے (خصوصاً کم علم اور کام چور مسلمان کے لئے) اور بعض لوگوں کے دلوں میں قرآنِ حکیم (یعنی دینِ اسلام) کی بابت بہت سے شکوک و شبہات نے فطور کیا ہے، اس واسطے میں نے ضروری سمجھا ہے کہ تمہید کو ذرا لمبا کردوں تاکہ مطلب نکھر کر سامنے آجائے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تمام دنیا دیکھ رہی ہے کہ اہل اسلام جو اللہ، قیامت اور قرآن حکیم پر (ظاہراً) ایمان رکھتے ہیں۔

آج علم و حکمت بلکہ ہر ایک شعبۂ حیات میں دوسرے انسانوں سے پیچھے ہیں۔ کیا اللہ علیم و حکیم اور خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن حکیم پر ایمان لانے اور رکھنے والوں کی یہ حالت زبوں ہونی چاہیئے؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ۗ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ (۲ : ۳۴ - ۳۰)

اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں کو کہا (ربّ بمعنی پروردگار و آفریدگار) کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں" تو انہوں نے کہا کہ "تم ایسی مخلوق کو خلیفہ بناتے ہو جو فساد کرے گی اور خون بہائے گی حالانکہ حمد و ثنا کے ساتھ ہم تمہاری تسبیح میں مصروف ہیں اور ہم تمہاری تقدیس کرتے رہتے ہیں" خدا تعالےٰ نے فرمایا "جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے" اور آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے (استنباط یہ ہے کہ جتنے نام جو زمین میں ہیں اور تمام چیزوں کے نام جو کائنات میں ہیں) پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے رکھ دیا اور کہا "اِن چیزوں کے نام مجھے بتلاؤ اگر تم اپنے قول میں صادق ہو" (انہوں نے اظہار عجز کیا) پکار اُٹھے کہ "خدایا! تم بے عیب ہو۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تم نے ہم کو علم دیا ہے، تم دانا، باحکمت ہو (یعنی تمام دانائیوں، حکمتوں اور فنون کا منبع)"۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ "اے آدم! ان سب چیزوں کے نام فرشتوں کو بتلادو" پس جب آدم نے ان چیزوں کے ناموں سے ان کو آگاہ کیا تو (خدا تعالےٰ نے) فرمایا "آیا میں نے تم کو یہ نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی نہانی چیزوں کو جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسکو

بھی جانتا ہوں"؛ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، پس سبھی (بدون چون وچرا) سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس (اکڑ گیا)، اس نے منہ موڑا اور اپنے آپ کو بڑا جانا اور وہ کافروں میں سے ہوگیا (یا ہے)۔

کافر وہ ہے جو حق وحقیقت کو چھپاتا ہے، شکرانِ نعمت نہیں کرتا اور قانون کے تابع نہیں چلتا۔ اس موقع پر یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں ماضی اور حال اور مستقبل ایک ہی وقت ہے۔ اگرچہ ان میں بلیونہا در بلیونہا سال کا فاصلہ ہو۔

مابعد کی چند آیتیں ہمیں انتباہ کرتی ہیں کہ اگرچہ آدم علم میں برتر اور افضل ہے لیکن ابلیس انسان کو دھوکا دے سکتا اور راہِ راست سے منحرف کرسکتا ہے۔ گویا علم میں اس وقت پختگی آتی ہے جب تجربات اور شاہدات کو وحی سے ہم آہنگ کردیا جائے اور اسی واسطے انسان کے لئے خدا کی طرف سے ہدایت اشد ضروری ہے۔ چنانچہ آخری کامل ہدایت "قرآنِ مجید" کی صورت میں انسان کو پہنچادی گئی۔ اور یہی قرآن توجہ دلاتا ہے کہ کائنات کی آفرنیش میں تفکر اور کائنات کی چیزوں سے استفادہ کرنا، اسلام میں اولیہ حوائج اور فرائض میں ہے اور یہ چیز بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایماندار شخص کو شیطان راہِ راست سے بہکا نہیں سکتا۔

یہ ہے علم کی تعریف جو قرآنِ حکیم نے بشریت کو بتلائی ہے۔ سطورِ ذیل میں شرح آتی ہے۔

اس ہدایتِ قرآنی کو ہم اس طرح بیان کرتے ہیں:

اللہ کے پہلے دربار میں فقط فرشتے حاضر تھے اور اللہ تعالےٰ نے ہم انسانوں کی تلقین یا رہنمائی کی خاطر اس مکالمے کی شرح فرمائی ہے۔ مشیتِ الٰہی کے مطابق اس دنیا میں بشریت کے درمیان فساد و خونریزیاں ضرور برپا ہوتی رہیں گی۔ بنابراں اللہ تعالےٰ نے اپنے ارادۂ خدائی سے زمین میں خلیفہ پیدا کیا ہے تاکہ وہ فساد و خونریزی کو دبائے اور زمین پر صلح وصفا اور امن وامان برپا کرے۔ اب ہم مکلّف ہیں کہ جانیں کہ "خلیفہ فی الارض" کیا ہے اور کون ہوسکتا ہے۔ یعنی انسان کا کون سا گروہ سزاوار ہے کہ "خلافت" کی خلعتِ فاخرہ کو زیبِ تن کرے، اور اس ذمہ داری یا فرض کو سرانجام دے سکے۔ جان لینا چاہیئے کہ خلافت "امتِ مسلمہ" کے لئے ہے کسی ایک فرد کے لئے نہیں کیونکہ ایک جمعیتِ مجاہدین ہی مسلکِ اسلامی کی تبلیغ کرسکتی ہے اور عسکر وپولیس کے ذریعے قانون کو نافذ کرسکتی ہے۔

خلافت

خلیفہ کے معنی جانشین ہے جسے انگریزی میں (SUCCESSOR) کہا جاتا ہے۔ بعض نویسندگان نے "خلیفہ" سے نائب الحکومہ خدا یا خدا کا خلیفہ (خلیفۃ اللہ) تصور کیا ہے اور بعض "خلیفہ" کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین مانتے ہیں جس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خاتم النبیین رحمۃ للعالمین

صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اپنے دستِ باہمت میں خلافت کی باگ ڈور سنبھالی اور یہ قرینِ صحت ہے۔ لیکن اگر امتِ مسلمہ کو جمعاً "خلیفہ" مان لیا جائے تو یہ علماً، عقلاً اور قانوناً موزوں تر اور معقول تر ہوگا۔

یہ واضح ہے کہ اللہ خالقِ کائنات ازلی اور ابدی ہے یعنی نہ اُس کی کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ اُس کی ذاتِ احدیت، غیر محدود اور غیر محاط ہے۔ وہ ذاتِ صمد و توانا جس نے موت و حیات کو پیدا کیا ہے قطعاً نہیں مرے گا۔ بنا براں خدائے تعالےٰ کا کوئی جانشین نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی ازلی اور ابدی اقتدار و سلطنت کا وارث بن سکتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَآءِ إِلَٰهٌ وَّفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ
وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِندَهُ
عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ (۴۳/۸۴-۸۵)

اور ذاتِ باری تعالےٰ وہ ہے جو آسمان میں بھی فرماں روا ہے اور زمین میں بھی معبود و فرمانروا۔ اور وہ بے نہایت باحکمت بے نہایت دانا ہے اور اس کی برکتیں ازلی و ابدی ہیں۔ وہ ذات صمدی ہے کہ بے شمار آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے ان سب پر اُسی کی بادشاہی اور اسی کی حکومت ہے اور قیامت کے برپا ہونے کا علم فقط اسی کے پاس ہے اور تم سب لوگ اسی رب تعالےٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

(ضمناً) یہاں "حکیم" "علیم" کی صفات کی تخصیص پر غور کیجئے۔ "سماء" اور "سماوات" پر بھی غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اب آگے بڑھئے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ حاضر و ناظر ہے اور وہ خالقِ توانا جو تمام خاتمہ ناپذیر قوتوں کا مالک ہے، ایک ہی وقت میں ہر جگہ حاضر و ناظر و ہر آن زندہ و نگہبان اور دلوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے پس کوئی بھی اُس کا نمائندہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی صلاحیت و اہلیت رکھتا ہے کہ اس ذاتِ باری تعالےٰ کی وکالت یا کفالت کرے۔ یہ فرض کرتے ہوئے کہ وہ ذات یہاں موجود نہیں یا خدا (معاذ اللہ) بیمار ہو گیا ہے یا اس کو نیند آگئی ہے

اب واضح ہو گیا ہے کہ خلافت بمعنی جانشینی ہے۔ یعنی اس مخلوق کا جانشین جو انسان سے پہلے زمین پر موجود تھی۔ نہ کہ خدا کا جانشین۔ یا نائب۔ لہٰذا انسان "خلیفۃ اللہ" ہرگز نہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اولادِ آدم کے درمیان کس کو خلیفۃ فی الارض کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے واضح ہے کہ "خلیفہ" کی اصطلاح اس قوم پر منطبق ہو گی جو (۱) اللہ تعالےٰ، خالقِ کائنات، خالقِ موت و حیات پر ایمان رکھتی ہو۔ (۲) وسیع علم اور نافع حکمتوں سے متصف ہو۔ ہر محیط اور ہر زمان کے علوم و فنون متداولہ کو جانتی ہو بلکہ اکتشافات

اور اختراعات میں سب سے بلند ترین ہو۔

تو مشو بالائے ہر بالا ترے

غیرت او بر نتابد ہمسرے　　　(اقبالؔ)

(۳) اعمالِ صالح کی حامل ہو۔ کیونکہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (۲۴/۵۵)۔ اے جماعتِ مسلم: اللہ نے تم میں سے اُن لوگوں کو وعدہ دیا ہے جو (اللہ اور روزِ آخرت پر) ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے (یعنی زمین پر صلح و عافیت برپا کی) یہ کہ اللہ ان کو ضرور زمین میں "خلیفہ" (یعنی حکمران) بنائے گا جیسے اُن سے پہلے لوگوں کو زمین میں خلافت یعنی حکومت عطا کی تھی (اور ان کو بالا دستی اور برتری دے کر) اُن کے دین یعنی قانون کو جو خُدا تعالیٰ نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے (جس کی نگہبانی خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لے رکھی ہے) ان کے لئے قوت اور مکنت اور برتری دے گا۔ اور ان کے ترس و بیم کے بعد ان کو امن کی نعمت نصیب فرمائیگا (لیکن شرط یہ ہے کہ) اقتدار و حکومت کے دوران میں یہ ایما ندار خالصتاً میری محکومیت اختیار کریں۔ اور کسی کو بھی میرے ساتھ شریک نہ بنائیں۔ (شرک کی صحیح تعریف یا توضیح فقط قرآن حکیم میں ملے گی)

اس موقعہ پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر کوئی فرد یا افراد خدا اور اسلام پر تو عقیدہ نہیں رکھتے مگر علم و عرفان و حکمت کی تحصیل میں اپنی انتہائی کوشش لگا دیتے ہیں تو ان کو اس کا پورا معاوضہ اور بڑا لذیذ اور میٹھا پھل اس دنیا میں ملے گا اور ایک ذرہ بھی کم نہیں کیا جائے گا۔ مگر یہ فضیلتِ علمی آخرت میں ان کے کسی کام نہیں آئیگی پھر بھی کہوں گا کہ "ہر کسے کہ آبرو و سربلندی بہ قوتِ علم و حکمت بدست آورد، نوشش باد۔" خواہ یہ دنیا ہو یا آخرت ہو۔

خلاصۃً، بنی نوعِ انسان کل مخلوقاتِ زمین کا "جانشین" ہے اور وہ انہیں اپنی تسخیر میں لاتا اور اُن سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن بشریت میں سے انسان کا وہ گروہ "خلافت" کی فاخرہ خلعت پہنے گا جو مذکورہ بالا تین صفتوں سے متصف ہو۔ (۱) ایمان باللہ و بہ یومِ الحساب۔ (۲) علمِ واسع و نافع و بلند تر۔ (۳) عفت و عصمت۔ یوسف علیہ السلام کی طرح کہ ساری دنیا اُس کو "صدیق" کے پیارے لفظ سے پکارے۔

اِس مطالعہ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبران علیہم السلام زمین میں صحیح خلفاء رہتے اور جو لوگ پیغمبران علیہم السلام کی اس "صراطِ مستقیم" کی پیروی کرتے ہیں، وہ "خلفاء فی الارض" پہچانے جائیں گے۔ یہ ہے

نقد جو ہم نے قرآن مجید سے اخذ کی ۔

تسبیح و تقدیس فرشتوں نے خیال کیا کہ خلافت کا جلیل رتبہ اُس مخلوق کو دیا جاتا ہے جو فقط اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ یعنی اُن کا کام تنہا تسبیح و تقدیس ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہمیں تلقین فرماتا ہے کہ "خلافت" حاصل کرنے کے لئے، علم و حکمت، لازمی بلکہ لابدی ہے۔ ترکِ دنیا اسلام میں صحیح نہیں۔ علم و حکمت کی تحصیل کرنا فرضِ کفائی ہے اور فرضِ کفائی معناً فرضِ عین سے بہت بلند ہے۔

قرآن حکیم و تسخیرِ ماہتاب

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ
بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ
بِاَمْرِهٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ
وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ۝ وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ (۱۴ : ۳۲-۳۴)

اللہ وہ (خالق و توانا) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اس نے آسمان سے (بلندی سے) پانی کو اتارا پھر اس کے ذریعہ پھلوں کو (اگا کر) تمہارے لئے روزی نکالی۔ اور جہازوں کو تمہارے لئے مسخر بنا دیا تاکہ اُس کے "امر" سے سمندروں میں چلتے پھریں اور (اسی طرح) تمہارے لئے دریاؤں کو مطیع بنا دیا اور (مزید برآں) سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر بنا دیا جو ہمیشہ چلتے ہی رہتے ہیں اور رات اور دن کو بھی تمہارے لئے مسخر بنا دیا ہے۔ اور (خدا کے اس فضل و احسان پر خوب غور و فکر کرو کہ) جو کچھ تم نے اس کے حضور سے مانگا اس نے وہ تم کو مہیا کر دیا۔ اور (یہ نعمتیں اس قدر بے شمار ہیں کہ) اگر تم اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو ان کا شمار نہیں کر سکو گے۔ (یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے) کہ انسان بہت ہی بے انصاف اور بڑا ہی ناسپاس ہے۔

اب ہم علوم و فنون میں آجکل کی ارتقا و انکشاف کو مدِنظر رکھ کر گہرا مطالعہ کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کی یہ تین آیتیں آج (اجی ہمارے اس زمانے میں) ہمیں کیا رہنمائی اور تلقین کرتی ہیں۔

(۱) فقط اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کو اور ان میں کی تمام چیزوں کو پیدا کر سکتا ہے اور انسان کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتا۔

(۲) یہ زمین انسان کی سکونت اور حیوانات اور نباتات وغیرہ کی نشو ونما کے لئے مساعد بنادی گئی ہے اور یہ آسمان دنیا (نزدیک ترین بلندی) بمنزلہ سقف ہے اور ستارے اس میں چراغوں کا کام دیتے ہیں۔

(۳) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ حقیقت میں سب خدائے رحمٰن کی عطایات اور موہبات ہیں۔ مگر انسان کا فرض ہے کہ علم کی قوت سے ان سب سے صحیح فائدہ اٹھائے۔

(۴) ہر چیز میں خاصیتیں رکھ دی گئی ہیں اور یہ خواص فقط اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلق اور متعین ہوتے ہیں۔ اور ان میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

(۵) انسان ان خاصیتوں (PROPERTIES) اور وزن مخصوص (SPECIFIC GRAVITY) کا دقیق مطالعہ کرکے اپنے لوازم اور حوائج کو مہیا کرتا ہے۔

اب سنیئے اور اس بیان پر غور فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار قوانین میں سے ایک قانون بنایا ہے کہ سمندروں اور دریاؤں وغیرہم کا پانی سورج کی حرارت سے بخارات میں تبدیل ہو کر جو ہوا کی بلندیوں میں صعود کرتا ہے۔ بلندیوں پر پہنچکر یہ بخارات برودت کی تاثیر سے پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرات یا برف میں تبدیل ہو کر بلندی سے زمین پر گرتے ہیں اور مردہ خشک زمین پھر سے تازہ، سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہوائیں اسے زمین کے دوسرے قطعات میں پہنچا دیتی ہیں۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ قانون کا بنانا مثلاً سورج کی حرارت پانی کو بخارات میں تبدیل کرتی ہے۔ پانی ڈھلوان کی طرف خود بخود بہتا ہے۔ نباتات فطرت کے مقررہ قوانین کے مطابق زمین سے ابھرتی، اُگتی اور نشو ونما کے مختلف مراحل کو طے کرتی اور پھر پکتی ہیں وغیرہ ان سب کو "امرِ خدا" مانیئے) انسان کے اختیار میں نہیں۔ مگر اُس کا کام ان چیزوں سے فائدہ اٹھانا ہے بس اگر انسان نے فطرت کے مقررہ قوانین کے مطابق رفتار کی تو اُس سے مطلوب نتیجہ ہاتھ آئے گا ورنہ اُس پر معیشت تنگ ہو جائے گی اور اس دنیا میں ذلیل و خوار ہوگا۔ غور فرمایئے کہ فطرت نے انسان کے لئے سب کچھ مہیا کر دیا ہے اور اللہ نے انسان کو بہترین دماغ بھی عطا فرمایا ہے مگر جب تک انسان اپنی روٹی حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں نہ مارے یہ روزی خود بخود اُس کے منہ میں نہیں گر پڑتی۔ انسان پر لازم ہے کہ علم کی قوت سے ہر قسم کے اناج کو معین اوقات میں اور ہر ایک خطہ کی اقلیم کے مطابق بوئے اور پرورش کے بہترین طریقے سے بہترین حاصل لے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کشتیوں اور جہازوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ تسخیر کشتی چہ معنی دارد؟ کشتی ایسی بنانی چاہیئے کہ وہ پانی میں غرق نہ ہو۔ انسان علم کی قوت سے جو مسلسل تجربات اور مشاہدات کی بنا پر حاصل ہوتی ہے کشتی بناتا ہے۔ اس موضوع میں اشیاء کے وزن مخصوص (SPECIFIC GRAVITY) کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ لکڑی کا وزن مخصوص (عام طور پر) پانی کی نسبت کمتر ہوتا ہے۔ لہذا، وہ پانی میں غرق

نہیں ہوتی کشتی اگرچہ لکڑی سے بنائی جاتی ہے لیکن پھر بھی انسان تفکر اور تجربہ کی بنا پر کشتی کو کاسہ کی شکل میں بناتا ہے تاکہ ہوا کے لئے زیادہ تر جگہ SPACE بن جائے اور کشتی یا جہاز کا وزن مخصوص اور بھی کم ہو جائے۔ اس کے نتیجے میں جہاز معین وزن اٹھا کر سمندروں اور دریاؤں میں تیرتے پھرتے ہیں۔ ہر ایک چیز کا وزن مخصوص انسان کے اختیار کی بات نہیں مگر انسان علم کی قوت سے ان چیزوں کو کام میں لگاتا ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کے "امر" کا راز۔ الٰہی غیر متبدل قوانین (امر خدا) کی برکت سے ہر ایک چیز میں اصلاح آتی ہے اور فتنہ و فساد اور خونریزیوں کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ (۳۰/۲۵)۔ خدا تعالیٰ کی بے شمار آیات میں سے یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اس (خالق توانا کے) "امر" سے بیکراں فضا یا کیہاں میں قائم یعنی محکم و استوار ہیں اور نظام کائنات میں کوئی خلل وارد نہیں ہوتا۔ آجکل کی اصطلاح کے مطابق آسمان اور زمین کا قائم رہنا قوتِ جاذبہ (GRAVITATION) کی وجہ سے ہے۔ تمام اجرام سماوی میں یہ قوتِ جاذبہ ایسی خدائی حکمت سے موجود ہے کہ سب کے سب فضا میں قائم ہوتے ہوئے اپنی اپنی حرکت وضعی اور حرکت انتقالی میں بھی مصروف ہیں اور اپنے جسم کے اجزاء اور اپنی سطح پر کی چیزوں کو بھی بڑی خوبی اور آسانی سے تھامے ہوئے ہیں۔ اسی طرح بے شمار منظومہ ہائے شمسی (SOLAR SYSTEMS) اس فضائے بیکراں میں تیر رہے ہیں۔ یہ بھی خدا کے "امر" کی مثال تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انہار یعنی دریاؤں اور ندی نالوں کو انسان کے لئے مسخر بنایا ہے۔ اگرچہ انسان نے پانی کو خلق نہیں کیا اور نہ ہی اس میں اس نے اس کی خاصیتیں رکھی ہیں لیکن انسان پانی کے خواص کو مدنظر رکھ کر اس سے فائدہ اٹھاتا ہے یعنی دریاؤں سے نہریں نکالی جاتی ہیں اور ان سے مزروعہ زمینوں کی آبیاری کی جاتی ہے۔ انسان بند (DAMS) بنا کر پانی سے برقی بجلی لیتا ہے اور بنجر زمینوں کو زراعت کے لئے مساعد بناتا ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تمام استفادے علم کی قوت سے لئے جاتے ہیں۔ دریاؤں اور ندی نالوں اور پانی میں جو خاصیتیں رکھی گئی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کا امر سمجھو۔ کیا آپ نے اس رہنمائی پر کبھی غور کیا کہ اللہ تعالیٰ کے غیر متبدل "امر" کی پیروی کرنے سے خیر ہی خیر حاصل ہوتی ہے اور انسان یقیناً اپنے مرام اور مطمح نظر پر پہنچ جاتا ہے۔

اب ہم اس جملے پر پہنچے ہیں جس میں سورج اور چاند کو ہم انسانوں کے لئے تسخیر کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "کہ آفتاب اور ماہتاب اگرچہ ہمیشہ حرکت میں ہیں، تم انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخر بنایا ہے اور اسی باری تعالیٰ نے دن رات کو بھی تمہارے لئے مسخر بنا دیا ہے"۔ سب سے پہلے میں پڑھنے والوں کی توجہ ایک برجستہ لطافت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں، یعنی عنوان کی آیت میں ہے کہ "جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، ان سب کو اللہ نے تمہارے لئے مسخر بنا دیا ہے۔ لیکن اس آیت میں سورج اور

چاند دونوں کو تمہارے لئے مسخر بنا دیا ہے۔ مثلاً سمندروں اور دریاؤں کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ "جو کچھ ان میں ہے" بلکہ یہ بتایا ہے کہ "سمندروں، دریاؤں، کشتیوں اور درخت وغیرہ کو تمہارے لئے مسخر بنا دیا ہے" اسی طرح سورج اور چاند کو تم انسانوں کے لئے مسخر بنا دیا ہے۔ یہ نہیں کہ ان دونوں میں جو کچھ ہے تمہارے لئے مسخر بنا دیا ہے۔ یعنی ان کا کوئی حصہ مسخر نہیں بنایا بلکہ اُن کے سارے جسم سے استفادہ حاصل کرو۔ اس سے معلوم بلکہ بالکل واضح ہو گیا کہ نہ فقط سورج اور چاند بلکہ تمام منظومہ شمسی (SOLAR SYSTEM)۔ (سورج، عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، زحل اور انوس، نیطون اور پلوتو اور ان کے اقمار) کو انسان کے تصرف میں آنا چاہیئے کیونکہ یہ ہماری دسترس میں ہیں یعنی ہمارا ہاتھ ان تک پہنچ سکتا ہے۔ اب ہم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ جیسے انسان احجار، انہار، حیوانات، نباتات اور جمادات وغیرہ سے علم کے ذریعے پورہ فائدہ اٹھا سکتا ہے اسی طرح سورج اور چاند کو بھی تسخیر میں لے سکتا ہے اگرچہ وہ فضا میں پر رہے ہیں۔

اب فضا میں اوج حاصل کرنے کے لئے کئی ایک امر کا دقیق مطالعہ کرنا پڑے گا۔ انسان زمین کی قوتِ جاذبہ سے کس طرح اور کس قوت کے ذریعے سے نکلے؟ بے وزنی کے محل یا مقام پر پہنچکر سفینہ کیہانی کی رفتار کا کیسے ادارہ کرے؟ جب جرم مطلوب کی قوت جاذبہ کی حدود میں پہنچے تو کس طرح اس کی سطح پر قدم رکھے۔ سفینہ کیہانی شدید اصطکاک (FRICTION) کی حرارت سے پگھل نہ جائے اور اگر یہ اشد حرارت (بہت زیادہ گرم) ہو جائے۔ انسان کس لباس کے ذریعے اس فوق العادہ حرارت سے محفوظ ہو سکتا ہے؟ بہرحال ایسا لباس مہیا کیا جائے کہ انسان فوق العادہ حرارت یا برودت سے امین رہے۔ انسان کے تنفس کے لئے آکسیجن لابدی ہے۔ اگر جرم مطلوب میں آکسیجن موجود نہیں تو یا زمین سے ساتھ اٹھائے جائیے یا اس جرم کی خاک سے آکسیجن بنائی جائے یا فضا سے حاصل کی جائے (اگر فضا میں آکسیجن موجود ہو) میرے قیاس میں (بحوالہ اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا؟ سماوات اور ارض کے مواد گیس کی صورت میں ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط تھے۔ پھر ہم نے ہر ایک جرم کو اس کے تمام مواد کے ساتھ جدا بنا دیا) ہر ایک جرم میں کسی نہ کسی شکل میں آکسیجن موجود ہے۔ اچھا تو اب حیات کے اس لابدی عنصر کے حصول کے لئے کس قسم کی مشین بنائی جائے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ یہ تمام اسباب فقط "قوم یتفکرون" ہی پیدا کر سکتی ہے۔

اب آپ تیسری آیت کی لطیف ہدایت پر غور کیجئے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ "وَآتَاكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ...... الخ" جو کچھ تم نے مانگا۔ اللہ تعالےٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے اور اللہ تعالےٰ نے اس قدر نعمتیں تمہیں عطا کی ہیں کہ تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔" یہ پاک عبارت کیا رہنمائی کرتی ہے؟ اے بنی نوعِ انسان! اللہ تعالےٰ نے تمہیں گارے کے جوہر سے پیدا کیا۔ اور تمہیں اس قدر لیاقت اور قابلیت دی ہے کہ تم تمام

کائنات کا علم حاصل کر سکتے ہو بس ان چیزوں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں جس طرح بھی تم چاہو اور جو کچھ تمہارے دلوں میں گذرے اُن سے بھرپور فائدے اٹھاؤ۔ بالکل عیاں ہے کہ انسان فقط علم کی قوۃ سے اِن چیزوں سے اپنی خواہش کے مطابق استفادہ لے سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ سمجھ سکتے ہیں کہ زمین پر بھی (جو تمام کائنات کے مقابلے میں ایک ATOM (ذرے) کی حیثیت نہیں رکھتی) اللہ کی عطا کردہ بے شمار نعمتیں موجود ہیں پھر ایک جرم سماوی میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بے حد وحساب ہیں اور پھر ہم کہکشاؤں کا شمار بھی نہیں کر سکتے۔ اب بتاؤ اگر تم (انسان) اللہ کی نعمتوں کو گننے کی کوشش کرو تو (کیا) اِن بیشمار اجرام سماوی اور ان میں ہر ایک جرم سماوی کی بے شمار نعمتوں کا حساب کر سکو گے؟ کیا ہی لطیفہ ہے۔ (وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا)۔

یہ تیسری آیت اس جملے پر ختم ہوتی ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۔ یعنی انسان بسیار ستمگار وبے انصاف، بہایت ناسپاس است۔ یعنی یہ تمام نعمتیں انسان کو دی گئی ہیں لیکن وہ علم وحکمت کی قوت سے اِن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہ سب چیزیں راکد اور بیکار پڑی ہیں۔ تو مطلب یہ ہوا کہ حقیقت میں انسان ان کو استعمال میں نہ لانے کی وجہ سے خدا کی ناسپاسی کر رہا ہے۔ انسان ابھی تک سورج اور چاند سے طبیعۃً استفادہ کر رہا تھا اور استفادہ لے رہا ہے مگر علماً اُس نے ان دونوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ امریکہ کے دلیر کیہاں نورد سب سے پہلے انسان ہیں جو چاند کی سطح پر اُترے ہیں۔ وہ ہر ستائش اور قدردانی کے سزاوار ہیں۔ کیا کہوں ان غیر مسلموں نے قرآن حکیم کی پیشگوئی کی یا حقانیت کو تو ثابت کر دیا ہے لیکن اسلام کے نام لیوا خوابِ خرگوش میں پڑے خراٹے لے رہے ہیں۔ اب ہم اس انتظار میں ہیں کہ انسان اس کے بعد چاند اور ساتھ ہی سورج سے کیا اور کس طرح فائدہ اٹھاتے گا۔ اے فرزندانِ اسلام! کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم ظلوم، کفار میں سے شمار کئے جاؤ؟ آگے بڑھو، علم وحکمت بڑی تندہی سے سیکھو اور خدائے رحمٰن کی بے شمار نعمتوں سے علماً فائدہ اٹھا اور عملاً خدا کا شکر بجا لاؤ۔ غور کرو کہ قرآن حکیم کیسی عجیب ولطیف تلقین فرماتا ہے۔ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ۔ (۳۴/۱۳) اے داؤد کے خاندان کے لوگو! عمل ومحنت کے ذریعے خدا کا شکر بجا لاؤ اور جان لو کہ میرے بندوں میں سے بہت تھوڑی تعداد ہے جو دوڑ دھوپ کر کے (سعی وعمل کرنا اصل میں خدا کا شکر بجا لانا ہے) خدا کا شکر بجا لاتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد اور اس کے بیٹے سلیمان علیہما السلام کو محیر العقول صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ لوہا ۱۳۰۰ B.C (قبل المیلاد) کے قریب ایشیائے صغیر (موجودہ ترکیہ) میں دریافت ہوا تھا اور حتیت (HITTITE) قوم نے اس دھات کو دریافت کیا تھا۔ داؤد علیہ السلام کا عہد سلطنت

۹۵۰ B.C. (قبل المیلاد) کے قریب تھا۔ داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا موم ہو جاتا تھا" اور وہ آلاتِ جارحہ و دفاعی بڑی آسانی سے بنا لیتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام کی تسخیر میں فطرت کی بہت سی قوتیں تھیں۔ ان سب اعلیٰ چیزوں کی موجودگی میں آلِ داؤد کو حکم ہوتا ہے کہ سعی و عمل کے ذریعے خدا کا شکر بجا لاؤ۔ اکثر نویسندوں نے قرآن حکیم کی اس حکیمانہ تلقین کی طرف توجہ مبذول نہیں فرمائی۔

اب ہم ایک دوسری آیت نقل کرتے ہیں۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ - (۷/۵۴) "جان لینا چاہیئے کہ تمہارا رب وہ خدا (توانا) ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ یعنی تمام مخلوقات کے لئے احکام صادر کئے اور قانون اور شعور اور خواص ان کو عطا فرمائے وہ حالیکہ رات پر دن کو اڑھاتا ہے (یا دن کو رات سے چھپا دیتا ہے) کہ وہ اس کے پیچھے بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا لگا آتا ہے اور سورج اور چاند (دوسرے تمام) ستاروں کو ایسے طور پر پیدا کیا کہ وہ سب اُس کے "امر" سے کام کرنے پر مکلف و مامور بنا دیئے گئے ہیں۔ تمہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ پیدا کرنا بھی فقط اسی کا کام ہے اور "امر" کا صادر کرنا اور تعیین بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالےٰ تمام خوبیوں اور برکات کا سرچشمہ ہے اور وہی سب جہانوں کا پروردگار ہے"

اس آیہ مبارکہ میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ چاند اور سورج کے علاوہ دوسرے ستارے بھی انسان کے لئے رام و مطیع بنا دیئے گئے ہیں۔ اس موقع پر اختصاراً عرض کرتا ہوں۔ یہاں شب و روز کا ذکر مطلق طور پر آیا ہے۔ اور سرعتِ سیر (حَثِيْثًا) کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ بنا برآں ہم زمین کے شب و روز سے آگے بڑھتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ النازعات (پارہ ۳۰) میں آیا ہے کہ اللہ نے آسمان (سماء = بلندی) کو بنایا اور اس کو بہت ٹھیک ہموار بھی کیا اور اس سماء کی رات[1] کو تاریک کیا اور اس (سماء = بلندی) کا دن نکالا یا دھوپ نکالی۔ ($\frac{۷۹}{۲۷-۲۹}$) اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک آسمان یا بلندی کی اپنی رات بھی ہے اور اپنا دن بھی۔ اس سے آگے بڑھ کر ہم (اللہ پر ایمان رکھنے والے) مؤمن کہکشانوں کی سیر کرتے ہیں۔ بے شمار کہکشانوں میں ہر ایک کی رات جدا اور دن جدا ہے۔ اس دن رات (یعنی شبانہ روز، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کا حساب) کی کیفیت ابھی ہمیں معلوم نہیں۔ مگر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ شاید ہر ایک منظومہ شمسی (SOLAR SYSTEM) کی طرف اشارہ ہو۔ اب سب

---

[1] سب نویسندوں نے زمین کے دن رات کی طرف عموماً اشارہ کیا ہے۔ دن رات کو عمومی معنوں میں استعمال کر کے ہم اصلی ہدف پر پہنچ جاتے ہیں۔

سماوات (بلندیوں) کو اکٹھا کر کے اِس سارے مجموعے کی رات اور دن کی لمبائی کو ذہن میں لایئے اس خارق العادہ تخمین سے چھ سماوی دنوں کا اندازہ ہو سکیگا۔ اب مومن کا فرض ہے کہ سماوات کی بزرگی کو سامنے رکھ کر ایسی مشین یعنی سفینہ کیہانی اختراع کرے کہ فوق العادہ تیز رفتاری (حثیثًا) سے سماوات کی سیر کرنے میں کامیاب ہو۔

اب مومنین مکلف و مامور ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے "امر" کی تحقیق کریں۔ اس کا راز پا لینے سے انسان ستاروں سے علمًا استفادہ لے سکتا ہے۔ (وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔) کو ہمیشہ یاد رکھو ورنہ تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا اور تم یقینًا ظلوم و کفار ٹھہرو گے۔ اے ایماندارو! علم و حکمت کی تحصیل میں اپنا دن رات ایک کر دو۔ خالقِ توانا نے انسان کو عبث پیدا نہیں کیا پس ایماندارو! عطایائے رحمانی کو بھی عبث نہ سمجھو۔ ان نعمتوں کو حاصل کرنے میں علمًا کوشش کرو اور اس طرح اللہ تعالےٰ کا عملاً شکر بجا لاؤ۔ ان چیزوں کے ختم نہ ہونے والے ذخائر موجود ہیں۔ خدائے رحیم و محسن انسان کی ہر ایک زحمت و محنت کے مقابل، اس کو کامل معاوضہ عطاء کرتا ہے۔ یہ ہے تبارک اللہ ربّ العالمین کا اجمالی مرام و معنی۔

اس موقع پر خوانندگانِ محترم کی توجہ اس بارکی کیطرف بھی منعطف کرانا چاہتا ہوں کہ انسان کا چاند کی سطح پر اُترنا حقیقت میں پہلا قدم ہے۔ اب اس کے بعد انسان آسمانوں کی سیر و سیاحت کر سکیگا۔ لیکن وسائل کی ضرورت ہے جو برق و بجلی سے بھی سریع تر ہوں۔ غور فرمایئے کہ کلمہ "حثیثًا" کے کیسے عجیب راز کو کھول کر سامنے رکھ دیا ہے۔

آخر میں قرآنِ حکیم کی ایک اور آیت نقل کرتا ہوں۔ سَنُرِيهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۔ (۴۱/۵۳)۔ وہ دن دور نہیں جب ہم اپنی نشانیاں (اپنی آفرینش کے محیر العقول کارخانے) جو آفاق (HORIZONS) اور خود ان کی جانوں میں موجود ہیں دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر کھل جائے گا کہ وہ یعنی قرآن حق ہے۔ تو اب کیا تمہارے رب کی بات تمہاری حقیقت کی شہادت کے لئے کافی نہیں کہ وہ ہر ایک چیز کا شاہد ہے؟

عیاں ہے کہ علم و حکمت جس قدر ترقی اور انکشاف کرتا چلا جائے اسی قدر انسان کے معلومات اس زمین پر اور خلاء وغیرہ میں بڑھتے جائیں گے۔ اس وسیلے سے قرآنِ حکیم کی حقانیت جو دینی کتاب ہے، طبعًا ثابت ہو جائے گی۔ اور یہ کہ انسان آخرکار اللہ تعالےٰ کے "امر" سے آسمانوں کو تسخیر کر سکیگا تو کیا قرآنِ حکیم کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے دلیل قوی اور برہانِ قاطع نہیں؛ قرآنِ حکیم نے ایسی تمام چیزوں کو علم و سائنس کی حیثیت سے بیان فرمایا ہے، روایات یا افسانوں کے طور پر نہیں۔

اس مقالے کے لکھنے سے میرا ہدف اور مرام یہ ہے کہ اہلِ اسلام علم و حکمت کی تحصیل میں اپنی انتہائی کوشش صرف کر دیں اور اپنے آپ کو بلند ترین امت بنائیں اور قرآن کے مقدس مسلک و متین تعلیم کو عالم بشریت میں پھیلا کر اپنی ماموریت کو سرانجام دیں۔ اس صورت میں مومنین "کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔الخ تم بہترین امت ہو جو عالم بشریت کے لئے نکالی گئی ہو" کے مصداق بن سکتے ہیں۔ اس عمل کے بغیر ہرگز نہیں۔ اے فرزندانِ اسلام! کیا تم اس مقام بر از نده اور اس رتبہ برگزیدہ کو پسند نہیں کرتے اور اس کے حصول کے لئے کوشش نہیں کرو گے؟

کہتے ہیں کہ حافظ نے یہ شعر کہا ہے:

حدیث از مطرب و مے گو — و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید — بحکمت ایں معمے را

جس کسی شاعر کا بھی یہ قول ہے ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ کیوں؟ قرآن حکیم فرماتا ہے: "آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں تفکر کرو اور قرآن عظیم کی ہدایات اور مضامین میں تعمق اور تدبر کرو۔ اگر یہ قرآن خدا کے بغیر کسی اور کی طرف سے نازل ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلافات پاتے۔"

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۔(۱۲/۱۰۵)
اور آسمانوں اور زمینوں میں تو بہت سی نشانیاں موجود ہیں جن پر ان کا گذر ہوتا رہتا ہے (لیکن ان کی آنکھوں میں بینائی نہیں اور ان کے کان سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اور ان کے دلوں پر تالے لگ چکے ہیں) مگر وہ ان آیات کی طرف قطعاً توجہ نہیں دیتے۔ (آیہ مابعد کا ترجمہ) اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ اس کے ساتھ شریک و انباز بھی ٹھہرتے کرتے جاتے ہیں۔

اب اپنے اس مضمون کو سورۃ القمر کی اس آیت پر ختم کرتا ہوں۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۔ "ہم نے اس قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ (سمجھ حاصل کرنے کے لئے) پس کوئی ایسا ہے جو اس پر سوچ بچار کرے؟" یہ آیت اس سورۃ میں چار دفعہ تکرار کی گئی ہے اور "فھل من مدکر (پس کوئی سوچ بچار کرنے والا ہے؟)" پانچ دفعہ آیا ہے۔ اس ربط پر بھی غور کیجئے کہ اس سورۃ "القمر" سے سورہ النجم اور بعد میں سورۃ الرحمٰن کو ترتیب دیا گیا ہے۔ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحٰنَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔

(پرویز)

حقائق و عبر

مجالس حکیم الامتؒ

مفتی محمد شفیع صاحب کے زیرِ سرپرستی کراچی سے ایک ماہنامہ شائع ہوتا ہے ــ البلاغ ــ اس کے مدیر مفتی صاحب کے صاحبزادہ محمد تقی عثمانی صاحب ہیں۔ اس میں ایک مستقل عنوان ہے ــ مجالسِ حکیم الامتؒ ــ جس میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مجلس کے احوال و کوائف شائع کئے جاتے ہیں۔ اس کے مرتب خود مفتی محمد شفیع صاحب ہیں۔ اس ماہنامہ کی مارچ ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں اس مجلس کے احوال میں جو واقعات شائع کئے گئے ہیں ان میں سے دو واقعات آپ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ پہلے واقعہ کا عنوان ہے "رحمتِ حق کا ایک عجیب واقعہ" وھو ہذا ــ

ایک جاہل عورت مرنے کے وقت کچھ کلمات بول رہی تھی جو اس کے جاہل گھر والوں کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ وہ کسی مولوی صاحب کو بلا کر لائے اور کہا ذرا دیکھو یہ کیا بھونک رہی ہے۔ مولوی صاحب نے قریب جا کر سنا تو عربی زبان کے یہ کلمات اس کی زبان سے ادا ہو رہے تھے۔

ان ھٰذین الرجلین یقولان ادخلی الجنۃ۔

یہ دو آدمی یوں کہہ رہے ہیں کہ تو جنت میں داخل ہوجا۔

مولوی صاحب حیرت میں رہ گئے۔ گھر کے جاہل لوگوں کو بتلایا کہ اس کو تو جنت کی بشارت دی جارہی ہے۔ اس کے اعمال کیا تھے جن کے بدلے میں اس کو یہ نعمت ملی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو بالکل بےعمل بلکہ بدعمل عورت تھی مولوی صاحب نے فرمایا غور کرو۔ اس کا کوئی اچھا عمل اللہ کے نزدیک مقبول ہوگیا ہے وہ کیا تھا۔ بہت سوچنے کے بعد لوگوں نے بتلایا کہ اس کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ جب اذان ہوتی تو سب کام چھوڑ دیتی اور اذان کی طرف متوجہ ہو کر سنتی تھی۔ دوسروں کو بھی اس وقت بولنے نہیں دیتی تھی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نام کی یہ عزت کرنا ہی اس کے کام آگیا جس نے دوسری برائیوں پر پانی پھیر دیا۔

اللہ جل شانہٗ کی اس رحمتِ عامہ کا یہ واقعہ نقل فرمانے کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے رحمتِ الٰہیہ کے متعلق انشا کا یہ شعر بہت پسند ہے ؎

تصدق اپنے خدا کے جاؤں کہ مجھ کو آتا ہے پیار اس پر
ادھر سے ایسے گناہ پیہم ادھر سے یہ دمبدم عنایت

احقر جامع کہتا ہے کہ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد برزخ میں سب کی زبان خود بخود عربی ہو جائے گی کیونکہ وہی انسان کے وطنِ اصلی یعنی جنت کی زبان ہے۔ اسی میں اللہ کی سب کتابیں نازل ہوتی ہیں پھر انبیاء نے اپنی اپنی زبانوں میں اُس کے ترجمے اُمت کو سنائے ہیں۔ (کذا فی الاتقان للسیوطی)

دوسرے واقعہ کا عنوان ہے :- حضرت قریشی کی ایک کرامت :- اسے بھی ملاحظہ فرمائیے، ارشاد ہے۔

جامع کرامات الاولیاء طبع مصر میں ایک عجیب واقعہ حضرت قریشی مجذوم کا نقل کیا ہے کہ یہ بزرگ ولی اللہ جذامی تھے۔ اسی لئے نکاح نہیں کرتے تھے کہ دوسروں کو تکلیف ہوگی۔ مگر جوان تھے طبعی تقاضے موجود تھے۔ ایک روز اس تقاضے کی بنا پر مریدوں سے کہا کہ اب ہم نے نکاح کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ آپ پیغام دیں مگر اس طرح کہ ہمارا پورا حال بیان کر دو۔ اگر کوئی عورت ان حالات کے باوجود نکاح کیلئے تیار ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ صبر کریں گے۔

ایک مرید اٹھا اور اپنے گھر گیا۔ اس کی ایک جوان بیٹی تھی۔ اُس سے پیر صاحب کا پورا حال بیان کر کے نکاح کے متعلق پوچھا۔ لڑکی نے خوش دلی سے کہا کہ میں راضی ہوں۔ یہ مرید خوش ہو کر واپس آیا اور قریشی مجذوم سے کہا کہ میری لڑکی راضی ہے۔ آپ نے پھر پوچھا کہ تم نے اس کے سامنے میری پوری حالت بیان کر دی تھی یا نہیں؟ اس نے کہا۔ بالکل واضح کر کے بتلا دی تھی۔ مگر لڑکی نے کہا کہ میں ان کی خدمت گذاری کو دینی سعادت سمجھ کر قبول کرتی ہوں۔ چنانچہ نکاح ہو گیا۔

قریشی صاحب کرامات و تصرفات تھے۔ لڑکی کی اس بلند حوصلگی کو سنکر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جب میں اس کے پاس جاؤں تو میری صورت تندرست اور حسین ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ جب گھر میں تشریف لے گئے تو ایک جوان رعنا کی صورت میں تھے۔ لڑکی نے ان کو دیکھ کر پردہ کر لیا، اور کہا کہ تم کون ہو؟ قریشی مجذوم نے کہا کہ میں تمہارا شوہر ہوں۔ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ تو مجذوم ہیں تم وہ نہیں ہو۔ تب حضرت قریشی نے واقعہ کرامت ذکر کر کے بتلایا کہ اب میں جب بھی تمہارے پاس آؤں گا اسی صورت میں آؤں گا۔

لڑکی کی عالی حوصلگی دیکھئے۔ اس نے جواب دیا کہ افسوس! آپ نے میری نیت اور اس کے ثواب کو برباد کر دیا۔ میں نے آپ سے نکاح محض معذور سمجھ کر خدمت کا ثواب حاصل کرنے کیلئے کیا تھا۔ دنیوی راحت اور خواہش نفسانی کیلئے نہیں۔ اب اگر اپنی اصلی صورت میں مجھے ملنا چاہتے ہیں تو میں خادمہ ہوں ورنہ مجھے طلاق دے دیجئے۔ حضرت قریشی یہ سننے کے بعد اپنی اصلی ہیئت و صورت میں آگئے اور لڑکی ان کے ساتھ اسی حالت میں رہنے لگی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ارشاد فرمانے والے۔ مرتب کرنے والے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم۔ اور رسالہ کے مدیر مولانا محمد تقی صاحب عثمانی۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔

(۰)

۲۔ جنابِ شیخ کے نقشِ قدم یوں بھی ہیں اور یوں بھی

جماعتِ اسلامی نے اپنے منشور کی شق (۱۱) میں لکھا ہے کہ

جو لوگ محمد رسول اللہ کے بعد کسی اور کو نبی مانتے ہیں اور اس کی نبوت پر ایمان نہ لانے والوں کو کافر قرار دیتے ہیں انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ ان کو مسلمان تسلیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ پاکستان کے مسلمان غیر مسلم اکثریت ہیں۔

اسکے بعد (۱۱۳) علماء نے سوشلسٹوں پر کفر کا فتویٰ لگایا تو اس کی وضاحت کرتے ہوئے جماعتِ اسلامی کے سیکرٹری جنرل چودھری رحمت الٰہی صاحب نے اپنے ایک بیان میں فرمایا کہ

جماعتِ اسلامی تمام کلمہ پڑھنے والوں کو مسلمان سمجھتی ہے اور اس کی صراحت جماعت کے لٹریچر میں موجود ہے۔ (مشرق۔ ۲۷ فروری ۱۹۷۰ء)

اس سے منشور میں درج کردہ شق (۱۱) بھی دُھل گئی اور یہ تاثر بھی دے دیا گیا کہ یہ جماعت کس قدر وسیع الظرف واقع ہوئی ہے کہ اپنے ادبین حریف (سوشلسٹوں) کو بھی کافر نہیں کہتی۔

لیکن (۱۱۳) علماء کے محولہ بالا فتویٰ کو جماعتِ اسلامی کے ترجمان 'ایشیا' نے اپنی ۸ مارچ کی اشاعت کے ٹائیٹل پیج پر نہایت نمایاں اور رنگین شائع کیا ہے۔ اسکے ساتھ ہی جماعت اسلامی حلقہ حسین آباد (لاہور) کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں سوشلزم کیخلاف (۱۱۳) علماء کے فتویٰ کا خیر مقدم کیا گیا اور کہا گیا کہ علمائے کرام نے اپنی دینی بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ جو لوگ فی الواقع کسی مسئلہ میں اللہ اور رسولؐ کی مرضی معلوم کرنا چاہتے ہیں علمائے کرام کے فتویٰ نے انکی راہنمائی کر دی ہے۔ (مشرق ۔ ۲۸ فروری ۱۹۷۰ء)

"ایکشی دین" ہونا ہی ایسا چاہیئے جس میں ہر ایک کو خوش رکھنے کا سامان موجود ہو۔

—— (۰) ——

۳۔ انسانیت کی پناہ گاہ

اس عبرت انگیز خبر کو پڑھیئے جو روزنامہ امروز (لاہور) کی ۲۳ فروری ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں شائع ہوئی ہے۔

ایک ہندوستانی دوشیزہ رنجن وید کا سفر انگلستان جو ڈیڑھ دو ہفتے سے برطانوی اخبارات میں موضوع بحث بنا ہوا ہے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ خاتون ۱۹۴۸ء میں جب اسکی عمر چند ماہ تھی اپنے والدین کیساتھ کینیا گئی اب اس کی عمر ۲۲ برس ہے ۱۹۶۳ء میں کینیا کی آزادی کیوقت اس نے برطانوی شہریت اور پاسپورٹ برقرار رکھا۔

اس وقت کینیا میں مقیم ایک لاکھ بیس ہزار ایشیائیوں میں سے تقریباً سبھی نے برطانوی شہریت کو ترجیح دی لیکن کینیا اور یوگنڈا کی حکومت نے ان سے وہی سلوک کیا جو وہ غیر ملکیوں سے کرتی ہے۔ جن چند ایشیائیوں نے افریقی شہریت اختیار کی تھی انہیں تجارت کرنے، لائسنس لینے یا نوکری حاصل کرنے کی اجازت تھی باقی کو نہیں اور ان میں زیادہ تعداد کا تعلق مؤخرالذکر قسم کے لوگوں سے تھا۔ اور یہ لوگ جن کی پوری زندگی مشرقی افریقہ کے ملکوں میں گزری تھی انہیں اب یہاں نہ تو ملازمت ملتی ہے اور نہ وہ برطانیہ جا سکتے ہیں۔ رُخن بھی ایسے ہی لوگوں میں شامل تھی۔ چنانچہ دو ڈھائی ہفتے قبل وہ لندن جانے والے ایک ہوائی جہاز میں سوار ہو گئی۔ وہاں اس کا ایک بھائی پہلے سے موجود تھا جو ۱۹۶۸ء کے مذکورہ قانون کے نفاذ سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا تھا، اور بڑی خوشحالی سے زندگی بسر کر رہا تھا مگر رُخن کو لندن کے ہوائی اڈے پر روک لیا گیا۔ اب اس خاتون کے سامنے کوئی منزل نہیں تھی حتیٰ کہ جب اس نے کینیا واپس جانا چاہا تو وہاں بھی اس کو داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ امریکی جریدے "ٹائم" کی اطلاع کے مطابق اس نے نو دنوں میں سترہ ہزار میل سے زیادہ مسافت طے کی۔ انگلستان اور کینیا کے علاوہ تین اور ملکوں نے بھی اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔ وہ فرینکفرٹ، زیورچ، ایتھنز، نیروبی اور جوہنسبرگ کے ہوائی اڈوں پر جہازوں سے اترتی اور سوار ہوتی رہی۔ اس کے تن پر وہی ایک ساری تھی جو اس نے کینیا سے روانہ ہوتے وقت پہن رکھی تھی۔ آٹھویں دن اس نے کہا کہ میں ہفتہ بھر سے ڈبل روٹی اور کافی پر زندہ ہوں اور چاہتی ہوں کہ سونے کے لئے بستر میسر آ جائے۔ اس کے سفر کی داستان سے انگلستان میں ہنگامہ ہو گیا۔ دارالامراء میں حزبِ مخالف کے ارکان نے حزبِ اقتدار کے خوب لتے لئے اور کہا کہ حکومت برطانوی شہریت رکھنے والے ایشیائیوں کے ساتھ یہ سلوک کر کے ملک کا وقار خاک میں ملا رہی ہے۔ تنگ آ کر برطانیہ کے وزیرِ داخلہ نے رُخن کو تین ماہ کے لئے برطانیہ میں قیام کرنے کی اجازت دیدی مگر یہ تنبیہ بھی کی ہے کہ ہر کسی کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوگا۔ اس کے باوجود شاید بہت سے ایشیائی یہ حربہ آزمائیں اسلئے کہ وہ جس ملک میں مقیم ہیں وہاں ان سے دوسرے درجے کے شہریوں کا سا سلوک کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے وطن واپس نہیں جا سکتے اور انگلستان والے انہیں قبول نہیں کرتے۔ ایسے خانہ بدوش برطانوی شہریوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔

یہ دل سوز خبر آپ نے پڑھ لی۔ اب اس کے بعد اس اعلانِ عظیم پر نگاہ ڈالئے جو قرآن کریم نے چودہ سو سال پہلے کیا تھا اور جس میں کہا گیا تھا کہ — اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا۔ (۳/۹۵) دنیا میں سب سے پہلے مکہ میں وہ گھر تعمیر کیا گیا جو کسی خاص نسل، خاص قوم، خاص فرقہ والوں کا گھر نہیں بلکہ تمام نوعِ انسانی کا مشترکہ گھر تھا جس پر جلی حروف میں لکھ دیا گیا تھا کہ سَوَآءَ نِ الْعَاکِفُ فِیْہِ وَ الْبَادِ (۲۲/۲۵) وہ وہاں کے رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں، سب کے لئے یکساں طور پر کھلا رہیگا۔ اور اس کی خصوصیت یہ بتائی گئی کہ مَنْ

دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا - (۳/۹۷) جو بھی اس میں آجائے گا اسے امن کی ضمانت مل جائے گی۔

ہم پوچھتے ہیں نیشنلزم کے پرستار ممالک سے (جو اپنے آپ کو اس قدر مہذب کہتے ہیں) کہ انسانیت کو امن و سلامتی کی ضمانت تمہاری قومیت میں مل سکتی ہے یا اُس انسانیت ساز نظام میں جسے خدائے رب العالمین نے تجویز فرمایا ہے؟

لیکن ہم اقوامِ مغرب سے کیا پوچھیں جب اس قرآن کے ماننے والوں نے بھی اپنے آپ پر قومیت پرستی کا وہی جہنم مسلط کر رکھا ہے اور اس طرح اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ (۲۹/۵۶) کی عملی تکذیب کر رہے ہیں۔

(۰)

۴۔ دیکھو جرم کس کا ہے؟

ہمارے لیڈرانِ کرام شور مچا رہے ہیں کہ ہم نے جمہوریت کے احیاء کی تحریک اٹھائی تھی لیکن اس تحریک کو ناکام بنا دیا گیا اور ملک میں مارشل لاء نافذ ہو گیا۔ آئیے ذرا دیکھیں کہ اس تحریک کی ناکامی' فلہذا' مارشل لاء کے نفاذ کے ذمہ دار کون لوگ تھے۔

یکم مارچ کے سنڈے مشرق میں نوابزادہ نصر اللہ خاں صاحب کا ایک انٹرویو شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہ "کیا گول میز کانفرنس کی ناکامی کا سبب یہ نہیں تھا کہ تحریکِ جمہوریت انتشار اور تفرقے کا شکار ہو گئی اور اس سے متعلقہ راہنماؤں کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو گیا" فرمایا۔

> جی ہاں! اصل واقعہ یہ ہے کہ گول میز کانفرنس میں ہر سیاسی جماعت کے دو نمائندے شریک تھے اور متعدد اصولوں پر ان نمائندوں کا آپس میں اختلاف تھا۔ دوسری طرف جمہوری مجلسِ عمل کے اندر مشرقی پاکستان کی جماعتوں کے اختلافات نے بھی اپنا رنگ دکھایا اور بعض راہنماؤں کی جانب سے شیخ مجیب الرحمٰن کی بے جا پذیرائی سے بھی گول میز کانفرنس نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی۔ گول میز کانفرنس سے قبل پی۔ ڈی۔ ایم کی رکن جماعتوں کے بعض راہنماؤں نے شیخ مجیب الرحمٰن کی شخصیت کو سنبھالا دینے کی کوشش میں یہ موقف اختیار کر لیا کہ ان کی شرکت کے بغیر گول میز کانفرنس میں شمولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمہوری مجلس عمل اپنے دس روزہ اجلاس کے باوجود کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی۔ اندریں حال تھا اور باہر یہ کیفیت تھی کہ ایسی سیاسی جماعتیں اور ان کے راہنما اور بعض طالب علم لیڈروں نے جن کا شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کی پارٹی سے دور کا تعلق بھی نہ تھا محض گول میز کانفرنس اور جمہوری نظام کے احیاء کی مخالفت کے پیشِ نظر، نومجیب نوٹا کس کا

نعرہ بلند کیا۔ دوسری طرف بائیں بازو کی بعض جماعتوں نے جمہوری مجلس عمل کے ڈیڈلاک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لاقانونیت اور مار دھاڑ کا سلسلہ شروع کر دیا کیونکہ یہ جماعتیں نظریاتی طور پر یہ نہیں چاہتی تھیں کہ عوام کو سیاسی آزادیاں حاصل ہوں اور ان کے منتخب نمائندے عوام کے مسائل حل کریں۔ وہ جانتی تھیں کہ جمہوری نظام کے نفاذ سے سوشلسٹ نظام کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ مولانا بھاشانی نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے مشرقی پاکستان میں گھیراؤ اور جلاؤ کی تحریک شروع کی۔ مغربی پاکستان میں ان کے حامیوں اور مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اگرچہ مجلس عمل کو اپنے تعاون کا یقین دلایا، لیکن سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت انتشار و افتراق کی مہم کا آغاز بھی کر دیا۔ لیبر ایکشن کئے گئے جس سے مشرقی اور مغربی پاکستان کی انتظامیہ مفلوج ہو گئی اور حالات اس نہج پر پہنچ گئے کہ ملک میں مارشل لا نافذ کرنا دیا گیا۔

اور جب ان سے کہا گیا کہ "آپ نے ایوب خان سے مل کر شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائی کے لئے کوشش کی۔ اب آپ شیخ صاحب کی رہائی کو ملک کے لئے غیر مفید کیوں سمجھتے ہیں" — تو آپ نے جواب دیا کہ:-

میں اس سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔

اور یہی حضرات اب پھر قوم کے مسیحا بنے پھرتے ہیں!

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

(۰)

۵۔ وہی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

اگست ۱۹۶۹ء کے طلوع اسلام میں "شاہد عادل" کے قلم سے "جماعت اسلامی کے ذیلی ادارے" کے عنوان کے تحت ایک مقالہ شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے "ادارۂ مطالعہ و تحقیق لاہور" کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا کہ تحقیق و جستجو کے باوجود اس کے کارناموں کی بابت کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ اسی سلسلہ میں ایک صاحب کی طرف سے ہمیں کچھ پمفلٹ موصول ہوئے جو سوشلزم کے خلاف شائع کئے گئے ہیں۔ ان کا نام ہے: "اسلامی اقتصادیات میں انفرادیت اور اجتماعیت"۔ "ہنگری پر کیا گزری" اور "قازقوں پر کیا گزری"۔

اول الذکر کے شروع میں تحریر ہے:۔

پیش کش ادارۂ مطالعہ و تحقیق

اور اس کے نیچے ہے:۔ ناشر۔ دار الفکر۔ لاہور؛ اور دار الفکر کا پتہ یوں لکھا ہے: "معرفت دفتر سیارہ، اچھرہ۔ لاہور۔" اور سیارہ کے مدیر ہیں نعیم صدیقی صاحب جو جماعتِ اسلامی کے تبلیغی شعبہ کے انچارج ہیں۔ ان پمفلٹوں پر ربڑ کی مہر میں تحریر ہے "ہدیہ خلوص۔ منجانب۔ ڈیموکریٹک یوتھ فورس (پاکستان)"۔

اس کے بعد بس اتنا معلوم کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ اس علاقہ میں بنک کون سا ہے؟

(اشتہار)

روٹی کا مسئلہ

انسان کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی اہمیت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ تک رہے گی

کمیونزم

انسان کے معاشی مسئلہ کا وہ حل ہے جسے تنہا عقل نے دریافت کیا۔ لیکن اس میں انسانی زندگی اور حیوانی زندگی میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ دونوں کی زندگی طبعی ہے جس کا خاتمہ موت کر دیتی ہے

قرآن

اس مسئلہ کا جو حل دیتا ہے اس سے انسان اس زندگی کی خوشگواریاں بھی حاصل کرتا ہے اور اگلی زندگی میں ارتقائی منازل طے کرنے اور آگے بڑھنے کے قابل بھی ہو جاتا ہے!

یہ حل کیا ہے؟

اس کا جواب آپ کو

نظامِ ربوبیت

(از۔ پرویز)

میں ملیگا!

قیمت
چار روپے

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام، ۲۵۔ بی گلبرگ، لاہور